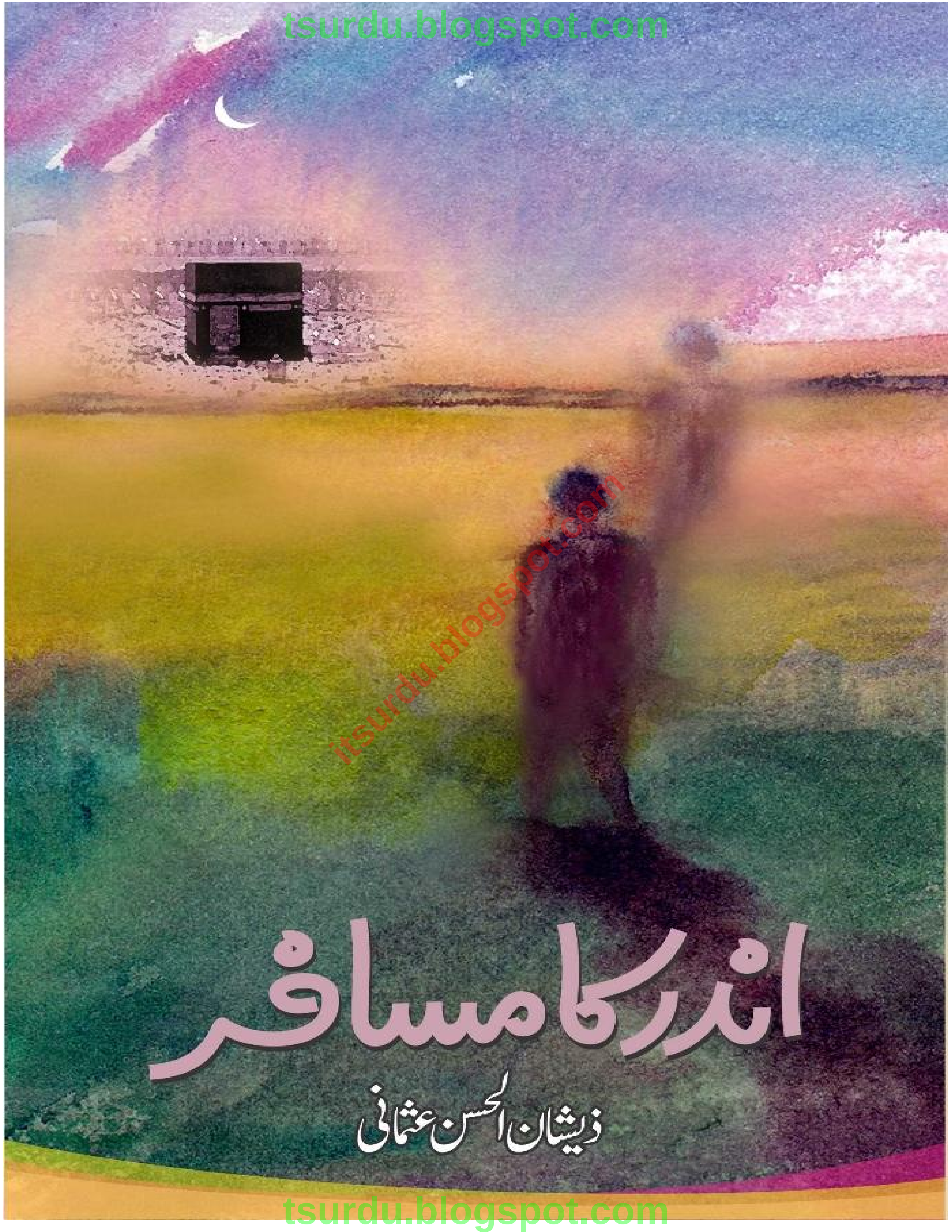
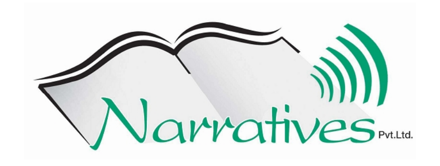

tsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com
اندر کا مسافر
ذیشان الحسن عثمانی
tsurdu.blogspot.com

اندر کا مسافر

ذیشان الحسن عثمانی



نام کتاب	:	اندر کا مسافر
تصنیف	:	ذیشان الحسن عثمانی
سرورق	:	طارق سجاد
اشاعت	:	اکتوبر 2014
تزئین	:	زی گرافکس
قیمت	:	250 روپے
تعداد	:	ایک ہزار
مطبع	:	بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور

ISBN:

Narratives Pvt.Ltd.

پوسٹ بکس نمبر 2110، اسلام آباد
فون: 051-2806074
ای میل: info@narratives.pk
ویب سائٹ: narratives.pk

اِنتساب

اپنے قارئین کے نام

میرا تجھ سے اٹوٹ رِشتہ ہے
میں تماشا ہوں تو تماشائی

سُو یہ جواب ہے میرا، میرے عُدو کے لیے
کہ مجھ کو حرصِ کرم ہے نہ خوفِ خمیازہ

میرا قلم نہیں کردار اُس محافظ کا
جو اپنے شہر کو محصور کر کے ناز کرے

میرا قلم نہیں کاسہ کسی سبک سر کا
جو غاصبوں کو قصیدوں سے سرفراز کرے

میرا قلم نہیں اوزار اس نقب زن کا
جو اپنے گھر کی ہی چھت میں شگاف ڈالتا ہے

میرا قلم نہیں اس دردِ نیم شب کا رفیق
جو بے چراغ گھروں پر کمند اچھالتا ہے

میرا قلم نہیں تسبیح اس مبلغ کی
جو بندگی کا بھی ہر دم حساب رکھتا ہے

میرا قلم نہیں میزان ایسے عادل کی
جو اپنے چہرے پہ دُہرا نقاب رکھتا ہے

میرا قلم تو امانت ہے میرے لوگوں کی
میرا قلم تو عدالت میرے ضمیر کی ہے

اسی لئے تو جو لکھا تپاکِ جاں سے لکھا
جبیں پہ لوچ کماں کا، زبان تیر کی ہے

میں کٹ گروں کہ سلامت رہوں، یقین ہے مجھے
کہ یہ حصارِ ستم کوئی تو گرائے گا

تمام عمر کی ایذاء نصیبیوں کی قسم
میرے قلم کا سفر رائیگاں نہ جائے گا

احمد فراز

کب سے اپنی تلاش میں گم ہوں
اے خدا مجھ کو مجھ پہ افشاں کر

جستجو کے سفر سے شروع ہونیوالی کہانی کا دوسرا حصہ ''اندر کا مسافر'' آپکے ہاتھوں میں ہے۔ عبداللہ کی کھوج اُسے کن کن مراحل سے گزارتی ہے۔ کیسے کیسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اور کتنی بار اُسے پھر سے ٹوٹنا پڑتا ہے یہ سب کچھ آپ کو اِس ناول میں ملے گا۔

آیئے اِس سفر میں ہمارے ساتھ شامِل ہو جایئے،
جسکی منزل تو معلوم ہے مگر پہنچنے کا یقین کوئی نہیں

اپنی تنقید اور آرا سے ضرور نوازیئے گا۔

ذیشان الحسن عثمانی

Zusmani78@gmail.com

عبداللہ اپنی بلّو اور بچوں کے ساتھ بیٹھا ہوا کوئی گیم کھیل رہا تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجی۔ ہیلو' میں ڈاکٹر حیدر بول رہا ہوں' کیا عبداللہ سے بات ہو سکتی ہے؟

جی سر، میں عبداللہ بول رہا ہوں کیسے ہیں آپ؟

عبداللہ واپسی مبارک ہو، کسی روز ملنے آ جاوٴ۔

جی کچھ ہی روز میں حاضر ہوتا ہوں۔

کچھ دنوں بعد عبداللہ ڈاکٹر حیدر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

اور سر سنائیں۔ پچھلے 6 سال کیا ہوئے۔ کوئی نئی تازی یا زندگی ابھی تک اِسی ڈگر پہ مصروف ہے؟

ویسے تو سب ٹھیک ہے عبداللہ، بس راستے اور منزل بدل گئے ہیں۔ اندر کا موسم باہر کے موسم سے جُدا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر حیدر کے منہ سے نکلنے والے یہ گہرے الفاظ عبداللہ کے ذہن میں بھونچال پیدا کر رہے تھے۔ وہ کہنے لگا۔

سر، ایک خالی پن کا احساس مجھے بھی ہے مگر کوئی سِرا ملتا نہیں ہے کمپیوٹر سائنس کا کوئی پرابلم ہوتا تو کب کا حل نِکال چکا ہوتا۔ عبداللہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

یوں تو اشکوں سے بھی ہوتا ہے اَلَم کا اِظہار
ہائے وہ غم جو تبسم سے عیاں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر حیدر، عبداللہ کے مزاج شناس تھے کہنے لگے ایک کام کرو، یہاں سے قریب ہی ایک صاحب کا آفس ہے، میں فون کر دیتا ہوں تم اِن سے جا کر میرے حوالے سے مِل لو۔
مجھے اُمید ہے کوئی سبیل نکل آئے گی۔ احمد نام ہے اُن کا۔

☆☆☆

عبداللہ اگلے ہی روز احمد صاحب کے چھوٹے سے آفس میں بیٹھا تھا۔ آفِس میں داخل ہوتے ہی اُس کی نظر مشہور زمانہ ٹی وی پروگرام کی CDs پر پڑیں جس میں ایک شعلہ بیان مقرر ملکُ عزیز کے ہر مسئلے کا تعلق امریکہ و اِسرائیل کی خفیہ سازشوں سے جوڑ دیتے ہیں مگر حل کچھ نہیں بناتے، عبداللہ کو ایسے لوگوں سے شدید چڑ تھی۔ اِس کے اپنے مسائل ہی اتنے زیادہ تھے کہ وہ مزید مسائل سُننے کے مُوڈ میں بالکل نہ تھا۔ عبداللہ نے جلدی سے ایک طائرانہ نظر بُک شیلف میں رکھی کِتابوں پر ڈالی، اِن میں سے زیادہ تر وہ پڑھ چکا تھا اور گفتگو شروع ہونے سے پہلے وہ احمد صاحب کے عقل وشعور کی اکاؤنٹنگ کر چکا تھا۔ احمد صاحب آرام سے اُس کے "فارغ" ہونے کا انتظار کرتے رہے، وہ کوئی چالیس کے پھیرے میں ہونگے، دبلے پتلے نکلتا ہوا قد، آنکھوں میں بَلا کی چالاکی مگر چہرے پر درد، عبداللہ زیادہ دیر آنکھیں نہ مِلا سکا۔

احمد صاحب گویا ہوئے:
کیسے ہیں آپ ڈاکٹر صاحب؟

جی ٹھیک ہوتا تو یہاں کیوں آتا۔ پریشان ہوں، سمجھ نہیں آتا زندگی میں کیا کروں؟
اتنا پڑھا لکھا، خوب جان ماری، مگر نتیجہ صفر
دل کا چین پتہ نہیں کہاں لُٹا بیٹھا ہوں۔ پتہ نہیں کس بات کی جستجو ہے؟
کون سی منزل ہے کہ دل کھنچتا ہے مگر نظر نہیں آتی۔

کوئی ہوک ہے کوئی آس کوئی تڑپ۔ کہیں نہ کہیں کوئی کمی ہے جو پوری نہیں ہوئی۔ میں ایک ایسا مریض ہوں جسے اپنی بیماری کا نہیں پتہ، علامات کا بھی نہیں پتہ، تو اب عِلاج ہو کیسے؟ عبداللہ بولنے پہ آیا تو بولتا ہی چلا گیا۔

دریں اثناء احمد صاحب کی آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ چکی تھی۔ وہ گویا ہوئے۔

ہم م م م م۔ پہلے کہاں تھے آپ؟ ہم تو آپکو ڈھونڈ رہے تھے۔
عبداللہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایک پھیکی سے ہنسی ہنس کے رہ گیا۔

احمد صاحب نے اپنی بات جاری رکھی۔

ڈاکٹر صاحب، تھوڑی دیر کے لیئے judgement ترک کر دیں۔ اندازے بعد میں لگا یئے گا۔ آپ ایسا کریں کہ ہماری ایک ورکشاپ ہو رہی ہے کل سے امین صاحب ہمارے انسٹرکٹر ہیں وہ پڑھائیں گے، یہ آپ کر لیں۔

ارے نہیں احمد صاحب، میرے پاس دنیا کے 72 سرٹیفیکیٹس ہیں میں ہر اس بندے سے مِلا ہوا ہوں یا پڑھ چکا ہوں جن کی کتابیں آپ یہاں سجائے بیٹھے ہیں میرا مسئلہ اب کوئی نیا کورس کر کے حل نہیں ہو گا۔ انہی کورسز نے تو یہ دن دکھلایا ہے، میں اپنا رونا رو رہا ہوں آپ اپنی ٹریننگ بیچنے کے چکر میں پڑے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب آپ یہ ورکشاپ کر لیں پھر بات ہوگی۔ احمد صاحب نے جیسے کہ فیصلہ سنا دیا۔

پتہ نہیں یہ ان صاحب کے لہجے کا اثر تھا یا طبیعت کا ٹھراؤ کہ اگلی شام جمعہ کے روز عبداللہ ٹریننگ سنٹر

پہنچ گیا۔کوئی بیس کے قریب مرد وخواتین موجود تھے۔اور احمد صاحب جیسے ایک اور صاحب، جنہیں سب امین بھائی کہہ رہے تھے وہ ٹریننگ شروع کرنے کے لیے بے تاب۔

عبداللہ زندگی کی اتنی بدتمیزیوں کے بعد کسی سے تمیز سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ویسے بھی وہ اپنے آپکو کوس رہا تھا کہ یہاں آیا کیوں؟ وہی اِسٹیفن کوی، وہی جیک ویلش ،سیم والٹن، وارن بُفے اور پیٹر سنجے کے فرمودات ،وہی بکواس ہوگی جس میں عبداللہ خُود چیمپین تھا۔

لوگوں نے اپنا تعارف کرایا۔عبداللہ اس پورے عرصے میں سر بنچ پہ رکھے سوتا رہا، اِسے اب کسی کی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی کیا سوچے گا، جب اپنی باری آئی تو صرف نام بتایا اور پھر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

سوتے سوتے یا سونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے امین بھائی کا ایک جُملہ کان میں پڑا۔

"اگر آپ یہاں بیٹھے بیٹھے مر جائیں تو کیا آپ اپنی زندگی کو مڑ کے دیکھیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں! لگ گئی؟ یا یہ کہیں گے کہ ضائع ہو گئی؟ یا یہ کہ پتہ نہیں کیا ہوئی اور کہاں گئی؟

ہمیں نہ بتائیں اپنے آپ سے پوچھ لیں۔

اب عبداللہ نے آنکھ کھولی مگر سر ویسے ہی جُھکا رکھا۔

"اچھا، دوسرا سوال ،امین بھائی نے اپنے ترکش سے ایک اور تیر نکالا۔کچھ لوگ آپکے مرنے کے بعد آپکے بارے میں بات کر رہے ہیں۔آپ کیا سمجھتے ہیں وہ کیا کہیں گے؟

پتہ نہیں کون تھا جو مر گیا۔یا اچھا ہوا مر گیا؟ یا اللہ کا نیک بندہ تھا۔بڑے اچھے کام کر گیا ہے جو سالوں

زندہ رہیں گے۔

اب عبداللہ سنبھل کے بیٹھ چکا تھا اور اسکی آنکھوں میں چمک سی آ گئی تھی۔

امین صاحب نے ایک تیر اور نِکالا اور ہاتھ میں موجود مارکر کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ کیا ہے؟ کیا کرتا ہے؟

سامعین میں سے کسی نے جواب دیا، جناب مارکر ہے اور لکھنے کے کام آتا ہے۔
بہت خوب اب آپ اپنے آس پاس دیکھیں اور چیزوں کی لسٹ بنالیں۔

عبداللہ کا پین تیزی سے چلنے لگا
پنکھا
کرسی
میز
چپل / جوتا
درخت
کھڑکی
ملٹی میڈیا یا پروجیکٹر
لیپ ٹاپ
اِسپیکرز
ٹیوب لائٹ
جگ
گلاس

مارکر

گھڑی

صوفہ

واٹرکولر

''چلیں اب اِن تمام چیزوں کے سامنے ان کا(purpose) مقصد لکھیں۔''

پنکھا ہوا دیتا ہے، مارکر لکھتا ہے، گھڑی وقت بتاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

''اُوہو! ہم لسٹ میں ایک نام تو بھول ہی گئے، جی ہاں! آپ کا اپنا نام وہ بھی تو لکھیں۔''

''عبداللہ'' لِسٹ میں ایک نئے آئٹم کا اِضافہ ہو گیا ہے۔

جی اب اِس کے سامنے اس کا مقصد purpose بھی لکھ لیں۔

تو عبداللہ ہم ہیں ہی کیوں؟

why do we exist?

عبداللہ ہونق بنا صرف تکے جا رہا تھا۔

امین بھائی نے اپنی بات جاری رکھی۔ایک سیدھا سا ذریعہ ہے معلوم کرنے کا۔جس نے بنایا ہے اُس سے پوچھ لو۔اب مارکر بنانیوالی کمپنی نے مارکر کی تمام specifications بتا دی ہیں۔اور HP والوں نے اِس میز پر رکھے لیپ ٹاپ کی، اور ڈاولینس نے اِس ائیر کنڈیشن کی، تو آپکی سمجھ کے حساب سے جو بھی آپ کا خالق ہے آپ اُس سے پوچھ لیں۔بحثیت مسلمان، ہمارا ماننا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے رب ہیں۔وہ قرآن میں فرماتے ہیں۔

آیات(51: 56)

وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾

ہم نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیئے پیدا کیا۔

تو ہماری زندگی کا اولین مصرف تو اللہ کی رضا ہوئی ناں!

ہماری To Do List(TDL) میں سب سے اُوپر تو "اللہ کو راضی کرنا" لکھا ہونا چاہیے نا۔
ہم ڈیزائن ہی اللہ کو راضی کرنے کے لیئے ہوئے ہیں مگر ہماری زندگی میں سب کچھ ہوتا ہے سوائے اللہ کے۔
عبداللہ کے دل پر یہ الفاظ بجلی کی طرح گر رہے تھے مگر امین بھائی نے تو جیسے چُپ نہ ہونیکی قسم کھا رکھی تھی۔انھوں نے اپنی بات جاری رکھی۔
کیا خیال ہے آپ کا اُس مارکر کے بارے میں جو لکھتا نہ ہو؟ اُس گلاس کے بارے میں جس میں پانی نہ ڈالا جا سکے؟ یا اُس AC کے بارے میں جو ہوا ٹھنڈی نہ کر سکے؟ اِن تمام چیزوں نے اپنے ہونے کا حق ادا نہیں کیا نا؟

کیا خیال ہے آپ کا اب اپنے بارے میں؟

ہم م م م م، ذرا سوچیئے۔ اللہ تو ہماری TDL میں ہوتا ہی نہیں ہے۔
ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ سے قریب نہ کرے یا دُور لے جائے انکی ناراضگی کا سبب بنے وہ کبھی نہیں کرنا چاہیے۔

عبداللہ کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔وہ لرزتے ہاتھوں کے ساتھ اٹھا اور کانپتی ہوئی آواز میں انسٹرکٹر سے مخاطب ہوا، اِسکی آواز سُن کر سب ہی پریشان ہو گئے۔خود انسٹرکٹر بیچارہ سوچ میں پڑ

گیا کہ آخر میں نے ایسا کہا ہی کیا ہے؟ عبداللہ گرجا۔
"امین صاحب خدارا خاموش ہو جائیں اور بند کریں یہ ڈرامہ۔

کہاں مر گئے تھے آپ آج سے 10 سال پہلے۔ پہلے کیوں نہ بتایا کسی نے یہ مجھ کو، نہیں ہے جواب آپکے سوالوں کا میرے پاس! ہوتا تو یہاں آتا ہی کیوں؟

اگر آپکو یہ خوش فہمی ہے کہ آپکے یہ چند گھنٹے میری زندگی کے تینتیس سال کھا جائیں گے تو منہ دھو رکھیں۔ وہ 33 سال جس میں محنت بھی پسینے اور خون میں فرق نہ کر سکی۔ میری 198 آئٹمز پر مبنی TDL، میری تمام تر کامیابیاں، کیا سب ایک لیکچر سے ضائع کرنے کا اِرادہ ہے؟ ایک لفظ، امین صاحب ایک لفظ منہ سے اور نِکالا تو یہ گُلدان مار کے آپ کا سر پھوڑ دوں گا۔ بھاڑ میں گئے آپ، بھاڑ میں گئی آپکی ٹریننگ اور بھاڑ میں گئے شوخ آنکھوں والے آپکے احمد صاحب، میں جا رہا ہوں۔

اور یہ کہہ کر عبداللہ ٹریننگ روم سے نکل کے چلا جاتا ہے۔ حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کچھ بول سکے مگر امین صاحب پیچھے بھاگے اور سیڑھیوں کے پاس عبداللہ کو جالیا۔

ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب۔ آپ سُنیں تو سہی، عبداللہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو امین بھائی بھاگتے ہوئے آرہے تھے۔ قریب تھا کہ عبداللہ انہیں دو چار تھپڑ جڑ دیتا مگر وہ آگے بڑھے اور عبداللہ کو سینے سے لگا لیا۔ یکا یک عبداللہ کو اپنی آنکھیں تر ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں تھی وہ دل میں کہہ رہا تھا امین صاحب ہوسکتا ہے کہ آپ ٹھیک ہی کہتے ہوں، مگر میں غلط ہوں یہ کیسے مان لوں؟ میری حالت اُس ماں کی سی ہے جس کا جوان بیٹا مر گیا ہو اور وہ لاش کے سامنے بیٹھی کہہ رہی ہو کہ نہیں نہیں یہ مرا تھوڑا ہی ہے یہ تو سو رہا ہے۔

عبداللہ کو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ اپنے ارمانوں کی لاش کو کدھر دفنائے اور کدھر اس کی تدفین کرے۔

اے خوابِ دگر تیری تدفین کہاں ہو
سینے میں تو کسی اور کو دفنایا ہوا ہے
سانپوں میں عصا پھینک کے اب محو دعا ہوں
معلوم ہے دیمک نے اُسے کھایا ہوا ہے

عبداللہ نے امین بھائی کو خدا حافظ کہا اور گھر چلا گیا۔

ابھی وہ بلّو کو آج کی روداد سنا ہی رہا تھا کہ اُس کا بیٹا عبدالرحمٰن آ گیا اور کہنے لگا پاپا ہمیں آج Green Environment پر اسائنمنٹ ملی ہے۔ Recycling پر پوسٹر بنانا ہے۔ میں نے سب سے پہلے کچرے (Trash) کی تعریف لکھی ہے۔

وہ چیز جو اپنے مقصدِ وجود کے قابل نہ رہے۔
A thing that can't fulfill it's purpose anymore

ٹھیک ہے نا پاپا بتائے نا، ہاں ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہو بیٹا۔

آج کی رات پھر رت جگا ہوگا۔ عبداللہ نے بھیگی آنکھوں سے بلّو کو کہا جو مسکرا کے خاموش ہو گئی۔
رات عبداللہ پھر جانماز پہ تھا۔

"یا اللہ! تو چاہتا ہی نہیں ہے کہ میں سو سکوں۔ روز کی کوئی نئی پریشانی، کوئی ذہنی اذیت تو نے میرے دل و دماغ کو اتنا حساس کیوں بنایا ہے۔ یہ امین بھائی کیا کہہ رہے تھے۔ یہ TDL پہلے کسی نے

tsurdu.blogspot.com

کیوں نہ بتائی۔ تجھے راضی کرنا ہے مگر کیسے؟ میں کیا کروں کہ تو راضی ہو جائے میرے اللہ؟ اللہ میں کچرا ہی تو ہوں جو اپنے مقصد حیات کے قابل نہ رہا، جس نے بُھلا دیا اپنے مقصد کو مجھے معافی دے دے، بے شک تیرا فضل وجہ کا محتاج نہیں ایسے ہی بلا وجہ بخش دے۔کون پوچھے گا تجھ سے۔ یا اللہ میں کل واپس ٹریننگ میں جاؤں گا۔صحیح بات سمجھا دے۔اب کہ چوٹ نہ کرنا! امین بھائی پہ رحم کر میری گستاخیاں معاف فرما۔ آج پھر سے اپنی TDL کوری اِسٹارٹ کر رہا ہوں اِس بار پچھتاوے سے بچانا۔اس بار قبول کر لینا۔آمین!"

ترابؔ کا سہ دل پیش کر دیا جائے
سنا ہے کوئی سخاوت میں حد نہیں رکھتا

اگلے دن صبح عبداللہ پھر ٹریننگ روم میں تھا۔رات والے واقع کا اثر سب لوگوں کے چہروں پر تھا اُس نے باری باری سب کے پاس جا کے معافی مانگی۔تھوڑی ہی دیر میں سیشن واپسی شروع ہوا۔

امین بھائی کے لب و لہجے میں بلا کی فراست اور چابکدستی تھی۔عبداللہ سوچ رہا تھا کہ انھوں نے اُس جیسے ہزاروں بھٹکتا ئیں ہونگے۔

"ہاں! تو ہم کل بات کر رہے تھے زندگی کے مقصد کی، یہ تو ہم سب کو واضح ہو چکا ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے جب ہم اِس مسئلے کو حل کر لیتے ہیں تو اگلا سوال آتا ہے خواب کا۔ Vision کا۔ہم کیا کرنا چاہتے ہیں اس زندگی میں؟ بہت سے لوگوں نے کئی طرح سے اِسکو بیان کیا ہے۔جو تعریف ہمیں پسند آئی ہے وہ ہے پیٹر سنجے کی "وژن سے مراد مستقبل کی وہ تصویر ہے جو آپ دیکھنا چاہیں ".The picture of future you to want see مثال کے طور پر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا بچہ بڑا ہو کے ڈاکٹر یا انجینئر بنے گا۔تو ہم اگر 10،20 سالوں میں (مستقبل میں) اُسے ڈاکٹر یا انجینئر کے روپ میں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

tsurdu.blogspot.com

ہماری اس خواہش اِس چاہ کا نام vision ہے۔

مثال کے طور پر علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا۔ تو کوئی پاکستان سچ مچ میں انکے dreams میں تھوڑا ہی آیا تھا بلکہ ایک سوچ تھی کہ مسلمان کس طرح مل جُل کے ایک آزاد ریاست میں رہیں گے
تو ہم سب کی زندگی میں کوئی نہ کوئی وژن ضرور ہونا چاہیے اپنے بارے میں اپنی اولاد کے بارے میں، ماں باپ کے بارے میں، اپنے ادارے کے بارے میں کوئی نہ کوئی منزل تو ہو یا کوئی ٹارگٹ تا کہ آدمی پھر اُس تک پہنچنے کی جستجو کرے۔ اور ہاں! ایک کوشش یہ بھی کرنی ہو گی کہ وژن اور purpose آپس میں ٹکرائیں نہیں۔ مثال کے طور پر purpose تو اللہ کو راضی کرنا ہے اور وژن میں سینما کا مالک لکھ دیں تو بات کچھ بنی نہیں۔ purpose اللہ کو راضی کرنا ہو اور وژن میں حلال و حرام کی تمیز کے بغیر ہی پیسہ کمانا ہو تو بھی کوئی اچھی بات نہ ہوئی۔
عبداللہ کو یہ ساری سیدھی سادھی باتیں بغیر کسی مفکرانہ بحث کے بڑی اچھی لگ رہیں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہی ہمارا اصل مسئلہ ہے۔ ہم بحیثیت مسلمان اور پاکستانی بڑا سوچتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ ہم نے تو خواب بھی دیکھنا چھوڑ دیئے ہیں۔ جب منزل ہی نہ ہوگی تو سفر کس سمت شروع کریں؟ اور بفرض محال منزل نہ بھی ملی تو بھی اِس سفر کی وجہ سے اچھے انسان تو بن ہی جائیں گے۔

یہ وژن دراصل چھوٹے چھوٹے ننھے ننھے چراغ ہیں جو پورے ملک میں جل گئے تو ہر طرف روشنی ہو جائے گی۔ اگر سب لوگوں تک امین بھائی کی یہ ٹریننگ پہنچ جائے تو ملک بدل جائے گا۔ میرا بھی ایک وژن ہونا چاہیے اور باقی ماندہ تمام عمر اُس میں لگا دوں گا۔

میں بھی بڑا خواب دیکھوں گا، ایک نئی TDL خود بخود عبداللہ کے دل میں جنم لے رہی تھی۔ میں لوگوں کو پڑھاؤں گا۔ اچھا کمپیوٹر سائنٹسٹ بناؤں گا تا کہ ملک کے لیئے زر مبادلہ لاسکیں وغیرہ وغیرہ عبداللہ اپنی دنیا میں ہی مگن تھا اور وقفے کا ٹائم ختم ہو گیا۔

امین بھائی نے موضوع بدلا۔آپ لوگوں نے کبھی پونی کی کہانی سُنی ہے؟

سب کا جواب نفی میں تھا۔تو بھائی ایک تھا پونی (ایک چھوٹا سا کتا) اسے گاؤں دیکھنے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ایک دن دوستوں سے مشورہ کر کے وہ گاؤں چلا جاتا ہے گاؤں میں کنویں پہ پانی پینے کے لیئے رکتا ہے مگر پھسل کے گر جاتا ہے اور ڈوب کے مر جاتا ہے۔

اب گاؤں والے مولوی صاحب کے پاس آتے ہیں اور ماجرا سناتے ہیں کہ پونی گر گیا کنویں میں اور پانی ناپاک ہوگیا۔
مولوی صاحب کہتے ہیں کوئی بات نہیں 40 بالٹی پانی نکال لو، پانی پاک ہو جائیگا۔لوگ واپس آ جاتے ہیں کہ 40 بالٹی پانی نکالا مگر بدبو ابھی بھی باقی ہے مولوی صاحب 40 بالٹی اور نکالنے کا کہہ دیتے ہیں۔لوگ پھر واپس آ جاتے ہیں، مولوی صاحب کہتے ہیں بھائی آپ لوگ بڑے شکی مزاج ہو 40 اور نکال دو۔مگر لوگ پھر واپس کہ 120 بالٹیاں نکال چکے ہیں پانی جوں کا توں ہے اب مولوی صاحب کی برداشت سے باہر ہوگیا اور وہ ایک جمّ غفیر کے ساتھ کنویں پر پہنچ گئے۔جھانک کے دیکھا تو پونی کی لاش تیر رہی تھی۔

بھائی اسکو کیوں نہیں نکالا؟ مولوی صاحب نے گاؤں والوں سے تعجب سے پوچھا۔

آپ نے پونی نکالنے کا کب کہا تھا گاؤں والوں نے استفسار کیا۔

امین بھائی نے اپنی بات جاری رکھی۔تو آپ بتائیے اگر ہم کنواں خالی کر دیں اور پونی نہ نکالیں تو کیا کنواں پاک ہو جائے گا؟

عبداللہ نے ہنستے ہوئے نفی میں جواب دیا

بالکل اسی طرح ہمارا معاشرہ، ہمارے لوگ، ہمارے دوست، ہمارے احباب، ہمارے کولیگز ہزاروں کی تعداد میں پونی ہمارے دماغ میں بھر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم کیا پڑھتے ہیں۔ کہاں سے تجربہ لیتے ہیں کیا تعلیم حاصل کرتے ہیں نتیجہ وہی صفر۔

جب ہم وِژن کی بات کرتے ہیں تو کئی ایک پونی ہمارے وژن کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔ اور ہمارے خوابوں کو گندے پانی کے کنویں سے باہر نہیں آنے دیتے۔

یہ کہہ کر سب لوگ لنچ کے وقفے پر چلے گئے۔ مگر عبداللہ بھاری دل کے ساتھ اپنی زندگی کے پونی گنتا رہا۔ اسکی گذشتہ TDL میں موجود ہر چیز اُسے ایک پونی ہی نظر آئی اور وہ خاموش بیٹھا آسمان کو تکتا رہا اور آنسو ٹپ ٹپ کر کے یکے بعد دیگرے آنکھوں سے گرتے رہے۔

اشک نکلے ہیں تعاقب کا بہانہ کر کے
کوئی گھر میں نہ رہا تم کو روانہ کر کے

☆☆☆

امین بھائی نے سیشن کو پھر سے شروع کیا۔
چار پوئنٹ ہیں جو سب سے پہلے وژن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

1۔ زندگی Life
2۔ خاندان Family
3۔ وقت Time
4۔ جگہ Space

ہم کوئی وژن سوچ لیں وہ ہماری اپنی زندگی، خاندان اور جگہ کے اِرد گرد گھومتا ہے اور ہم اسے کسی نہ کسی وقت کے ساتھ قید بھی کر دیتے ہیں۔

مثلاً: میں چاہتا ہوں کہ میں کراچی کا سب سے بڑا تاجر بنوں

اب بذات خود اِسی وژن میں کوئی برائی نہیں مگر یہ کراچی کی حدود میں قید ہے۔

مثلاً: میں چاہتا ہوں کہ اپنے بیوی بچوں کو تمام خوشیاں دوں
اس میں بھی کوئی بُرائی کوئی مذائقہ نہیں مگر یہ اپنے خاندان سے باہر نہیں آ رہا۔

اگر بڑا کام کرنا ہو تو ان چاروں سے باہر نکل کر سوچنا ہوگا۔ مثال کے طور پر ہمارے پیارے نبی ﷺ کا وژن کہ لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچانا ہے ان چاروں سے آزاد تھا۔
انہوں نے اپنے خاندان والوں پہ بھی کام کیا اور غیر خاندان والوں پر بھی مکتہ المکرّمہ میں بھی کام کیا اور دنیا بھر میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہا کو بھیجا اور یہ کام انکی زندگی کے بعد بھی چودہ سو سالوں سے چل رہا ہے۔

اس جیسی مثالوں اور حوالوں سے آج کا دن ختم ہوا اور عبداللہ آج پھر جانماز پہ اپنے اللہ سائیں سے دعا مانگ رہا تھا۔

اپنی رحمت کے خزانوں سے عطا کر مالک
خواب اوقات میں رہ کر نہیں دیکھے جاتے

"اللہ سائیں! آپس کی بات ہے، ابھی تک کی زندگی تو ضائع ہوئی، آگے کی کسی کام لگ جاوے یہی بنتی ہے۔ آج تک صرف اور صرف اپنی ذات کا سوچا، کوئی کام کرنا چاہتا ہوں جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے عمر بھر نفع خور رہا اب نفع بخش بننا چاہتا ہوں۔ امین بھائی کہتے ہیں کہ وژن چاہ کا نام ہے۔ پیشن گوئی نہیں، میری چاہ ہے کہ ایسے لوگ تیار کروں جنھیں کمپیوٹر سائنس میں مہارت ہو' تا کہ وہ اپنے پروگرامز کے ذریعے انسانیت کی خدمت کر سکیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی بڑا ادارہ بناؤں اس کام کے لیئے۔ نہ عقل ہے نہ پیسہ نہ تجربہ تو مدد کر میرے مالک!

تیرے لیئے کیا مُشکل، تجھے کوئی اسمبلی سے بل تھوڑا ہی پاس کرانا ہوتا ہے۔
میری مدد کر میرے مالک! میرا ہاتھ پکڑ اور دیکھ پلیز اس بار صحیح لائن پر چلا دے آمین!"

آج ٹریننگ کا آخری دن تھا اور امین بھائی کا جوش خطابت عروج پہ۔ انھوں نے ٹریننگ کو آگے

بڑھاپا، آدمی زندگی میں مختلف کردار نبھاتا ہے جنھیں ہم roles کہہ لیتے ہیں۔ان کی دو اقسام ہیں لازمی یا mandated رولز اور اختیاری یا electives۔لازمی کردار وہ ہیں جو آپ چاہتے ہوئے بھی نہ چھوڑ سکیں مثلاً باپ کا رول اب آپ اپنے بیٹے سے جا کے اگر کہیں کہ آج کے بعد تم میرے بیٹے نہیں تو آپکے صرف کہنے سے کچھ بھی نہ ہو گا رشتے جوں کے توں قائم رہیں گے۔اختیاری وہ رولز جو آپکی صوابدید پر ہوں مثلا دوست۔آپ جب چاہیں جیسے چاہیں دوست بدل سکتے ہیں۔ مثلا جاب۔آپ چاہیں تو استعفیٰ دے دیں اور کسی اور جگہ نوکری کر لیں۔تو آپ سب لوگ اپنے تمام رولز کی ایک فہرست بنائیں۔عبداللہ نے قلم نکالا اور کچھ ایسی فہرست تیار کر لی

لازمی Mandated	اختیاری Electives
باپ	نوکر
بیٹا	دوست
بھائی	اُستاد
اپنی ذات	شاگرد
داماد	کھلاڑی
کفیل	تیراک
امتی	شوہر
عبداللہ	انٹرنیٹ سرفر
	محلّہ کمیٹی
	مسجد کمیٹی
	لائبریری ممبر
	وغیرہ وغیرہ

امین بھائی پھر گویا ہوئے۔تقریباً وہ تمام کام جو آپ 24 گھنٹوں میں کسی نہ کسی roles کے تحت

کرتے ہیں وہ یہاں آئیں گے۔اب لازمی کرداروں کو تو آپ کچھ کہہ نہیں سکتے تو اختیاری رولز میں سے ہر وہ رول جو آپکے وژن کا حصہ نہیں یا اُسے کسی نہ کسی طور support نہیں کر رہا' آپ اسے اُڑا دیں۔ ہر جنگ لڑنے والی نہیں ہوتی۔مثلاً اگر کسی کا وژن شاہد آفریدی بننا ہے تو اُسے 4 گھنٹے روز گانا گانے کی کیا ضرورت ہے وہ کرکٹ کھیلے۔آپ خود ہی منصف بن جائیں اپنے اختیاری رولز اور اپنے وژن کے بیچ۔اسطرح کرنے سے آپکی زندگی میں Focus یکسانیت بھی آئیگی اور وقت بھی بچے گا۔

وقفے میں عبداللہ معلومات کے اس طوفان کو ڈائی سیکٹ کر رہا تھا۔ٹھیک ہی تو کہتے ہیں اتنی سی زندگی میں کیا کیا کروں۔ بیواؤں کی خدمت کروں یتیموں کا خیال رکھوں، کتابیں لکھوں، پڑھاؤں، کمپنی کھولوں،ایدھی کے لیے ایمبولینس چلاؤں، پڑھوں یا ملکی سیاست میں حصہ لوں!

عبداللہ نے کاغذ پہ لکھنا شروع کر دیا۔ پاکستان میں مرد کی اوسط عمر 62 سال اور عورت کی 65 سال۔اب یہ کہتے ہیں کہ عمر پڑی ہے وہ ہے کہاں۔شروع کے 12 سال تو بچپنے کی نظر ہو جاتے ہیں۔اب اگر کوئی 70 سال بھی جیئے تو 58 باقی بچے۔ہم دن میں کم از کم 8 گھنٹے سوتے ہیں۔24 گھنٹوں میں سے یہ ایک تہائی بنتا ہے تو کوئی 23 سال 4 ماہ ہم سو رہے ہیں۔8 ہی گھنٹے کم از کم آفس میں جاتے ہیں ہر روز 23 سال 4 ماہ وہاں گئے۔پاکستانی اوسطاً 4 گھنٹے TV دیکھتے ہیں دن میں یہ کوئی ساڑھے گیارہ سال بنتے ہیں،4 گھنٹے ہم اوسطاً انٹرنیٹ کو دیتے ہیں ساڑھے گیارہ سال اِدھر گئے۔ایک سال زندگی میں ہم طبعی ضروریات میں باتھ روم میں گزارتے ہیں۔

12 سال کی عمر میں اگر نماز فرض ہو تو اگر ہم 5 وقت روزانہ نماز پڑھیں اور دن میں ایک گھنٹہ بھی لگا دیں تو 70 سال کی عمر میں کوئی ڈھائی سال اللہ کو دینگے جس نے پیدا کیا اپنی عبادت کے لیے۔ 613,000 گھنٹوں کی زندگی میں سے صرف 20 ہزار گھنٹے؟

کوئی بات بنی نہیں۔ پوری زندگی جب تک عبادت کے مفہوم کے تحت نہیں آ جاتی تب تک حق تو ادا نہ ہو سکے گا۔ کیا آپ کوئی ایسا نوکر رکھو گے جو اپنے اصل کام کو صرف 3.5% وقت دے اور باقی بے کار بیٹھا رہے؟ اور یہ 3.5% وقت بھی ہم کب دیتے ہیں۔ مہینوں گزر جاتے ہیں مسجد کا منہ دیکھے ہوئے۔

جتنی تیزی سے عبداللہ کا قلم چل رہا تھا اس سے کہیں زیادہ رفتار سے اُس کا دماغ اور دل۔

ٹھیک ہے امین بھائی! آج پھر رات جگا اور electives کا مزیٔ خانہ
وقفے سے آتے ہی امین بھائی نے ایک اور کاری وار کیا۔
آپ لوگوں کو مائیکروسافٹ ایکسل تو آتی ہو گی؟

تو ایک بار چارٹ بنائیں اور نیچے لکھ دیں تمام رولز جو باقی بچ گئے ہیں۔

باپ	بیٹا	اُمتی	عبداللہ	پروسی

ہمیں ان تمام رولز کو نہ کسی، کم از کم معیار پر نبھانا چاہیے۔ جیسے کہ اسکول میں 33% نمبروں پہ پاس ہوتا ہے یا یونیورسٹی میں GPA 2.2 پر اسی طرح ہر رول کا ایک Minimum (MPL) Perfomance Level ہوتا ہے۔ اگر اس سے نیچے آئے تو ظلم میں شمار ہو گا او پر گئے تو احسان۔ ظلم کا مطلب ہے کسی چیز کو اسکی جگہ سے ہٹا دینا۔ مثلاً ماں باپ کے لیئے MPL ہے کہ انہیں اُف بھی نہ کی جائے۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیں کہ بار چارٹ میں آپ کہاں ہیں؟ احسان کا مطلب ہے وہ چیز جو موجودہ ریسورسز میں اُس سے بہتر ممکن نہ ہو۔ غرض آپ کی سب سے بہتر کاوش۔

کسی آدمی کے پاس 10 روپے ہیں اور وہ 10 روپے صدقہ کر دیتا ہے تو اُس آدمی سے بہتر ہو گا جو

لاکھ روپے دے 10 کروڑ میں سے۔اب آپ کوتمام رولز کے MPL معلوم کرنے ہیں۔اور ان MPLs کو پورا کرتے ہوئے مرگئے تو کامیاب ورنہ ناکام ۔اس کے بعد امین بھائی نے مولانا تقی عثمانی صاحب کا شعر بھی سنادیا۔

قدم ہوں راہ الفت میں تو منزل کی ہوس کیسی
یہاں تو عین منزل ہے تھکن سے چور ہو جانا

امین بھائی نے ٹریننگ کا اختتام کیا۔
تو آپ لوگ گھر جائیں۔ رولز لکھیں MPL ڈھونڈیں اور وژن بنائیں کہ 100 سال بعد آپ اپنے آپکو کس رول میں کس جگہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ایسا نہ ہو کہ اپنی ذات کے رول میں تو بزنس مین بن جائیں مگر باپ، بھائی عبداللہ کے سارے رولز متاثر ہو جائیں۔ پھر سوچیں کہ 50 سال والا وژن کیا ہوگا۔25 میں کہاں ہونگے۔اور 5,10, اور 1 سال کا پلان بنالیں حتی کہ مہینوں ہفتوں اور دنوں کی کوشش کریں تاکہ آج آپ جو کام کر رہے ہیں وہ آپکے 100 سال والے وژن سے connect ہو سکے۔

☆☆☆

tsurdu.blogspot.com

اس ٹریننگ سے عبداللہ کو اپنے بہت سے سوالوں کے جواب مل گئے۔ وہ کسی حد تک مطمئن تھا کہ چلو زندہ رہنے کا کوئی بہانہ تو مِلا، کوئی راستہ تو نظر آیا، میرا کوئی مقصد حیات تو ہے۔ زندگی کے اندھیروں میں یہ چھوٹی سی کرن عبداللہ کے لیے ڈوبتے کا سہارا تھی۔

آج رات اس نے احمد صاحب کو فون کر کے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ انکی باقی ٹریننگز بھی کرنا چاہتا ہے۔ مگر فی الحال پیسے نہیں ہیں۔ احمد صاحب نے آفر دی کہ آپ کورسز کر لیں پیسے جب ہوں تب دے دینا۔

یوں عبداللہ کی زندگی میں ایک باب اور شروع ہوا۔ ٹریننگز اور روزن کا۔

☆☆☆

عبداللہ یونیورسٹی میں واپس آیا اور دن رات پڑھانے میں لگ گیا۔ بچوں کو پڑھانا اور اچھا کمپیوٹر سائنٹسٹ بنانا اس کے وژن کا حصہ تھا اس نے اپنی ریسرچ لیب بنائی اور ریسرچ پر بہت زور دینے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یونیورسٹی عبداللہ کی گرویدہ ہوگئی۔ پروفیسر عبداللہ کی کلاس میں پڑھنا طالب علموں کے لیئے وجہ افتخار سمجھا جانے لگا۔ بیچلرز کی ایک کلاس میں سے 13 انٹرنیشنل پبلی کیشنز آ گئیں اور عبداللہ کے اسٹوڈنٹ دنیا بھر میں اسکالرشپ پر جانے لگے۔ 4 طالب علموں کو وہی سینئر اسکالرشپ ملی جس پہ عبداللہ خود گیا تھا۔ عبداللہ نے ڈیپارٹمنٹ کا curriculum تبدیل کر دیا اور دنیا کے بہترین کورسز متعارف کروائے۔ اس شہرت اور کام کی وجہ سے عبداللہ جلد ہی نظروں میں آ گیا اور اسے ہر اُس کمیٹی کا ممبر بنا دیا جاتا جس کا اس سے دور دور تک کا واسطہ نہ ہوتا۔ اُسے سزا کے طور پر ڈرائیورز کمیٹی، گاڈن کمیٹی، اوپن ہاؤس کمیٹی اور اِس جیسی ہی نجانے کون کون سی کمیٹیاں جس میں سوائے وقت ضائع ہونے کے کچھ نہ ہوتا کی ذمہ داری سونپ دی جاتی۔

عبداللہ جلد ہی اِس علم دشمن ماحول سے بیزار ہونے لگا، اس بیزاریت سے نجات پانے کے لیئے اس نے دن رات وژن پڑھنا شروع کر دیا ہم کس طرح وژن بنائیں کیسے عمل کریں۔ یہ اس موضوع پر بھی چیمپین بننا چاہتا تھا۔ شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو اس موضوع یا اس سے متعلقہ موضوع پہ جو عبداللہ نے نہ پڑھ ڈالی ہو۔ اور شامت آئی ہمیشہ کی طرح بے چاری بلّو کی جسے گھر اور بچوں کے تمام معاملات کے ساتھ ساتھ عبداللہ کو بھی manage کرنا پڑتا۔ اُس نے عبداللہ کو مزید ٹریننگز کروانے کے لیے اور اس کی کتابوں کا خرچہ برداشت کرنے کے لیے اپنا زیور تک بیچ دیا اور پارٹ ٹائم کام بھی شروع کر دیا کہ عبداللہ میں زندگی کی رمق ہی اُس کا اثاثہ تھا۔ عبداللہ نے بارہا

کوشش کی کہ بلّو بھی یہ ٹریننگز کر لے، وہ گئی بھی، مگر اُس کا دل نہ لگنا تھا نہ لگا وہ ہمیشہ سے اپنے آپکو ایک کمزور سی گناہگار انسان کہتی جس سے کچھ نہ بن پڑتا ہو۔

عبداللہ نے یونیورسٹی میں ہونے والی ہر زیادتی کے بدلے میں مزید پڑھنا شروع کر دیا جس دن یونیورسٹی میں کوئی تلخ کلامی ہوتی اور اس دن کچھ اور نئی کتابیں وہ بلّو سے کہا کرتا کہ اس ملک میں ہونے والے مظالم کا واحد انتقام علم ہے۔

یہ علم کا سودا یہ کتابیں یہ رسالے
اک شخص کی یادوں کو بھلانے کے لیئے ہیں

عبداللہ جب بھی پالو آلٹو، روبن شرما، سٹیفن کوی، جم کولنز یا سیم والٹن کی کتابیں پڑھتا تو آ کے بلّو سے ڈسکس کرتا وہ ہمیشہ ہنس کے خاموش ہو جاتی مگر کوئی نہ کوئی جملہ ایسا بول دیتی کہ عبداللہ ہفتوں سر پیٹتا رہتا۔ ایک دن کہنے لگی۔ عبداللہ تم اپنی ذہانت، اپنی باتوں اور لفاظی سے کسی شخص کی زبان چپ کروا سکتے ہو مگر دل نہیں جیت سکتے۔
دل جیتنا ہو تو surrender کرنا سیکھو۔

ایک دن کہنے لگی عبداللہ میرا دل ہر اُس چیز کو کرنے کا چاہتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔ دل کی سنوں تو اللہ ناراض، اللہ کی سنوں تو دل ناخوش، یہ چکی تمام عمر یونہی چلتی رہے گی۔

وہ اکثر عبداللہ سے کہتی، عبداللہ آرام کر لیا کرو، کچھ دنوں کے لیے چھوڑ دو اس وژن کے چکر کو۔ خیر و شر کی ازلی لڑائی میں بندہ تھک بھی تو جاتا ہے۔ کچھ دیر آرام کر لے تو کیا مضائقہ۔

مگر عبداللہ کو تو جو ایک دھن سوار ہو جائے وہ ہو جائے۔ اسی علم و شوق میں زندگی کی گاڑی رواں

tsurdu.blogspot.com

دواں تھی کہ ایک دن صبح صبح عبداللہ کو ریکٹر آفس سے کال ملی۔ وہ ملنے پہنچا تو ریکٹر صاحب نے خوشخبری سنائی کہ آپکی تنخواہ میں 25 ہزار روپے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

عبداللہ اس غیر متوقع خبر پر پریشان ہوا کہنے لگا آخر کیوں؟

جی وہ ہمارے سسٹم ایڈمنسٹریٹر system administrator نے استعفیٰ دے دیا ہے تو آج سے آپ کے پاس system administrator کا ایڈیشنل چارج بھی ہے۔

مجھے قبول نہیں ریکٹر صاحب

مگر ڈاکٹر عبداللہ آپ کو یہ کام آتا ہے۔

جی مجھے کھانا پکانا بھی آتا ہے تو جس دن آپ کا باورچی چلا جائے اُس کا ایڈیشنل چارج بھی فدوی کو عطا کر دیجئے گا۔

دیکھیئے ریکٹر صاحب میں نے PHD کیا ہے کوشش ہے کچھ ریسرچ ورک کرلوں۔
ازراہ کرم میرے کیریئر سے مذاق نہ کریں۔

ہم نے آپکو مطلع کرنے کے لیے بلایا تھا مشورے کے لیئے نہیں۔ آپ جاسکتے ہیں
ریکٹر نے گویا حتمی فیصلہ سنا دیا۔

عبداللہ نے کاغذ قلم نکالا، وہیں استعفیٰ لکھا اور گھر واپس۔
بلو نظر آئی تو عبداللہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے، عنایت علی خاں کا شعر پڑھ دیا۔

جو سر کٹنے پہ راضی ہوں، انھیں جھکنا نہیں آتا
وہی منزل کو پاتے ہیں جنھیں رکنا نہیں آتا

بلّو ایک شعر میں سب کچھ سمجھ گئی اور گھر کی پیکنگ میں لگ گی کہ یونیورسٹی کا دیا ہوا مکان خالی کرنا ہے۔
رات کھانے پہ عبداللہ سے پوچھا اب کیا کرو گے عبداللہ؟

اللہ کی زمین وسیع ہے بلّو، کچھ کرتے ہیں۔ سوچ رہا ہوں گاؤں جا کے برتنوں کی ریڑھی لگا لوں۔ یونیورسٹی کا اچھا خاصہ تجربہ تھا وہاں یہ ہوا، کارپوریٹ سیکٹر کا تو تجربہ ہی نہیں ہے وہاں کیا ہوگا۔ آج جواباً بلّو نے بھی شعر سنا دیا۔

تو نے جو کچھ بھی کہا، میں نے وہی مان لیا
حکم حوّا کی قسم، جذبہِ آدم کی قسم

عبداللہ آج ایک بار پھر روڈ پہ تھا۔ جگہ جگہ نوکری کی درخواست دے رہا تھا۔ مگر انٹرویوز میں ہر جگہ فیل۔ کچھ لوگ اسکی ذہانت سے خوفزدہ ہو جاتے، تو کچھ کو اسکے لہجے کی کاٹ پسند نہ آتی، ایک HR مینجر تو پھٹ ہی پڑے۔

ڈاکٹر عبداللہ آپ بہت خطرناک انسان ہیں۔ آپکو کوئی کیسے قبول کرے۔ اپنے مضمون میں آپ خود اتھارٹی ہیں تو کوئی آپکو Technically چیلنج نہیں کر سکتا۔ روپے پیسوں کی قدر آپ نہیں کرتے تو یہ طریقہ بھی بے کار مرنے سے آپکو ڈر نہیں لگتا۔ تو جو آپ چاہیں گے وہ کریں گے۔ ہم آپکو جاب نہیں دیں گے۔

اورعبداللہ گھر آ کے پھر سے بلّو کو روداد سنا دیتا اس اثناء میں وہ ایک 200 صفحات کا وژن ڈاکومنٹ لکھ چکا تھا اپنا اور اپنی فیملی کا کہ زندگی میں کرنا کیا ہے جسے وہ ماسٹر پلان کہتا تھا۔

بلّو روز اسکی تیاری کرواتی۔ اُسے زیادہ بولنے سے منع کرتی اور روانہ کر دیتی۔

آج ایک ڈیفنس آرگنائزیشن میں اس کا بہت اہم انٹرویو تھا۔
جب عبداللہ اپنے سافٹ وئیر اور مہارت کی presentation دے چکا تو CEO نے کہا کہ آپ یہیں جوائن کر لیں، آپ صرف مجھے رپورٹ کریں گے۔ آپکو اُن ٹیکنالوجیز پر کام کرنا ہو گا جن میں بحیثیت قوم ہم دوسرے ممالک کے محتاج ہوں۔ کب سے شروع کریں؟

عبداللہ کی خوشی انتہاؤں کو چھوڑ رہی تھی۔ اچھی تنخواہ گھر اور گاڑی اور کام بھی 100 فی صد اسکے اپنے وژن سے متعلق۔ وہ خوشی خوشی گھر آیا سبھی خوش تھے، سوائے بلّو کے۔

بلّو نے کہا، عبداللہ اتنے خوش نہ ہو، خوشی تمہیں کم ہی راس آتی ہے۔
یہ دیکھو تم نے کیا کرنا ہے، تمھیں اپنے آپ سے کیا چاہیے؟ یہ بھول جاؤ دنیا تم سے کیا چاہتی ہے۔ ورنہ ہمیشہ اُداس ہی رہو گے۔

عبداللہ نے جواب میں لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی کہ وہ کسی طرح اس وژن سے پاکستان کو تبدیل کر دے گا اور بلو ہمیشہ کی طرح ہنستے ہوئے کھانا لگانے چلی گئی

☆☆☆

زندگی پھر سے مکمل رفتار سے دوڑی چلی جا رہی تھی۔کام کے سلسلے میں عبداللہ اکثر ملک سے باہر چلا جاتا اور ساتھ میں کوئی نہ کوئی کورسز بھی کر آتا۔

اب تو احمد صاحب نے اُسے اپنے لیکچرز میں بھی بلانا شروع کر دیا تھا جہاں وہ کلاس سے کچھ باتیں کر لیتا اور یوں عبداللہ کی شہرت دور دور تک جانے لگی

بلّو ہر رات کو صرف یہ دعا مانگتی کہ اے اللہ میرے عبداللہ کا خیال رکھنا۔
اسکی رفتار مجھے ہمیشہ پریشان کرتی ہے اس میں ٹھہراؤ لا، یہ پارہ کی طرح اچھلتا پھرتا ہے اور لوگوں کے حسد اور نظر کا شکار ہو جاتا ہے

اسکی طبیعت بہت تھر دیلی ہے اُس پہ رحم کر۔

ایک دن عبداللہ کے ایک دوست ڈاکٹر رمضان اسے ایک مفتی صاحب کے پاس لے گئے۔ عبداللہ جانا نہیں چاہتا تھا اُسے اب مولوی حضرات اور مفتیانِ کرام سے ڈر سا لگنے لگا تھا مگر اس دن وہ اپنے دوست کے اصرار پر چلا گیا۔ جب تک عبداللہ پہنچتا مفتی صاحب اپنا لیکچر ختم کر کے جا رہے تھے۔ عبداللہ نے ان سے ملاقات کی اجازت مانگی اور دو ہفتوں کے بعد کا وقت مقرر ہوا۔ عبداللہ دو ہفتوں بعد ٹھیک وقت پر مفتی صاحب کے گھر پہنچ گیا یہ سوچتا ہوا کہ انہیں وقت اور دن دونوں بھول چکے ہونگے مگر مفتی صاحب موجود بھی تھے اور منتظر بھی۔
مفتی صاحب کے گھر میں لگ بھگ 40 ہزار کتابیں تھیں جنہیں دیکھ کر ہی عبداللہ کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔ اُس نے بے ساختہ کہا۔

صرف اِتنا ہے واقعہ دِل کا
ہم نے کھویا ہے تم نے پایا ہے

یہ مفتی صاحب عبداللہ کو بہت پسند آئے۔ پڑھے لکھے۔ انگریزی بھی جانتے تھے اور کئی ممالک کا سفر بھی کیا تھا۔ نہ سیکرٹری، نہ دائیں بائیں مریدوں کا جھمگھٹا نہ تصنّع، نہ بناوٹ اور نہ ہی لفاظی، دو چار باتیں سیدھے سادھے الفاظ میں کر دیں اور بس۔

عبداللہ کا دل انکی جانب کھنچتا چلا گیا۔ عبداللہ کو ان کی شخصیت اپنے مولانا عبدالرحمٰن صاحب جیسی لگی۔ اوپر سے انکی زبان اور اُردو میں بہت چاشنی تھی۔

بقول شاعر

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اُردو بول سکتے ہیں

کچھ ہی عرصے میں اس جاب میں بھی وہی مسائل آنا شروع ہو گئے۔اس بار قصور عبداللہ کا ہی تھا۔
اس کے رویے میں لچک نہ تھی۔کیونکہ وہ اپنی زندگی کا ایک فلکسڈ ڈاکومنٹ بنا چکا تھا۔
لہذا کسی کے کہنے پر اس میں کوئی ردوبدل نہ کرنا چاہتا تھا۔

مزید یہ کہ حاسدوں کی حسد کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔صبح شام کوئی نہ کوئی مسئلہ کوئی نہ کوئی جھوٹ جسے برداشت کرنے اور اپنی صفائی میں عبداللہ کا پورا دن نکل جاتا۔دراصل جھوٹ بولنا بھی ایک صلاحیت ہے جسے خدا کسی کسی کو نہیں بھی دیتا۔مگر عموماً عبداللہ کا واسطہ "باصلاحیت" لوگوں سے ہی پڑا۔

عبداللہ کا اب تک مصمم یقین ہو گیا تھا کہ پاکستان میں کسی بچے کو نفسیاتی مریض بنانا ہو تو کسی کمپنی میں جاب کروا دو۔ایک ہی سال میں جھوٹ، مکاری، غیبت، حسد اور ظلم اسکی فطرت ثانیہ بن جائے گی۔باہر ممالک میں کام میں ایمانداری ملتی ہے۔ہمارے ملک میں مذہبیت۔اللہ کے اور رسول ﷺ کے نام پر گردنیں کاٹ دیں گے مگر اسلام پر عمل نہیں کریں گے۔ہم اسلام کو کام نہ کرنے کے لیئے استعمال کرتے ہیں۔عاشق رسول ﷺ سارے ہیں، اُمتی کوئی نہیں۔

ذوقِ جنوں ستم کی حدوں سے گزر گیا
کم ظرف زندہ رہ گئے اِنسان مر گیا

تجربات کی یہ اذیتیں اب تلخیاں بن کر عبداللہ کی زبان پر آ چکی تھیں۔
وہ جتنا زیادہ کام کرنا چاہتا اُسے اتنی پریشانیوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

اور جواب میں وہ سبکو وژن اور MPL کی چھڑی سے ہانک دیتا۔وہ ہر ایک سے اُمید لگاتا کہ وہ احسان excellence کے درجے پہ کام کرے گا۔جواب ظلم میں آتا تو عبداللہ تلخ ہو جاتا۔

عبداللہ باقاعدگی سے مفتی صاحب کے پاس جانے گا،کبھی کچھ پوچھ لیتا،کبھی صرف جو بھی بات چیت چل رہی ہوتی وہ سن کے آجاتا اور ڈائری میں لکھ لیتا۔ایک دن مفتی صاحب کہنے لگے۔
''ڈاکٹر صاحب زندگی کا مقصد اللہ کی رضا ہے۔اور اگر حشر کے روز ہم اللہ کو دیکھ کے مُسکرائے اور وہ ہمیں دیکھ کے مسکرائے تو یہ ہوگی کامیابی،اور یہ ہے وہ اصل کامیابی کہ جس پر فخر کیا جا سکے۔"

عبداللہ نے بات لکھ لی مگر سوچنے لگا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ یہ نتیجہ نکلے۔
ایک دن مفتی صاحب سے پوچھا کہ انسان اور بندے میں کیا فرق ہے؟
اور بندگی کسے کہتے ہیں؟

"انسان وہ ہے جو کسی کو دکھ نہ پہنچائے جو آدمی غصے،عقل اور جنس کو کنٹرول میں رکھ سکے وہ ہے انسان۔"

"اور بندگی نام ہے اپنے آپ کو معبود کے حوالے کر دینے کا،اب یہ الگ بات ہے۔کہ اس نے معبود کس کو چنا ہوا ہے۔"
آج عبداللہ پھر سے بجھ گیا آج بلّو کو پھر پتہ تھا کہ رت جگا ہوگا۔

"یا اللہ! میں تو آج تک انسان بھی نہ بن سکا۔نہ ہی عقل پہ کنٹرول ہے،نہ ہی جنس پر نہ غصے پر، یہ کیا ہو گیا میں تو بڑا خوش تھا کہ بڑے بڑے کام کر رہا ہوں۔وژن ہے مگر میں تو بندہ بھی نہ بن سکا۔میں نے تو اپنے آپ کو میں کے حوالے کر دیا ہے اور دن رات اسی میں مگن ہوں۔مجھ سے زیادہ چالاک تو بلّو نکلی جو پہلے دن سے ہی اپنے آپ کی نفی کرتی آئی ہے۔

میرے اللہ! پھر کوئی طوفان واپس ہے خیال رکھنا۔

میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں
"جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔"

اب عبداللہ کے سوالوں میں تیزی آ گئی تھی اور وہ ہر ملاقات پہ مفتی صاحب پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتا۔

زندگی کسے کہتے ہیں مفتی صاحب۔
"زندگی جل اٹھنے یا بجھ جانے کا نام نہیں ہے، یہ نام ہے سُلگتے رہنے کا۔"

مفتی صاحب کیسے پتہ لگے کہ بندے کا اللہ کے پاس کیا مقام ہے؟

"بڑا آسان ہے، بندہ یہی دیکھ لے کہ اللہ کا اس کے پاس کیا مقام ہے؟

اگر اللہ کو ہر شے پہ فوقیت دیتا ہے کہ پہلے اللہ پھر بیوی پہلے اللہ پھر جاب تو اللہ کے یہاں بھی مقدم ہے۔ اور اگر اللہ کی پرواہ نہیں کرتا تو عین ممکن ہے کہ وہاں بھی اشرافیہ میں سے تو نہ ہوگا۔"

اور پھر رت جگا۔

"یا اللہ، میں نے تو آج تک کوئی کام تیرے لیے کیا ہی نہیں آج تک تیرا خیال ہی نہ آیا، تیرا نام لے کے کام اپنے لیئے کرتا رہا کمپیوٹر سائنس آتی ہے وہی پڑھائی اور طرہّ یہ کہ وژن کا لفافہ لپیٹ کر یہ سمجھ لیا کہ سب کچھ تیرے لیے ہے۔ اور جب کہ ایسا نہیں ہے، بڑی خیانت ہوگئی میرے اللہ، معافی دے دے۔ سوال دینے والے اللہ جواب بھی دے دے آمین!

کبھی جو یاد کیا بھول کر تو بھول گئے
کہ تجھ کو بھولنے والوں کی یادگار ہوں میں"

عبداللہ نے بھرپور کوشش کی کہ جاب چلتی رہے اور وہ بہت دل لگا کے کام کرنے لگا، وژن کی بات اس نے تقریباً کرنی چھوڑ ہی دی۔ احمد صاحب اور امین صاحب سے تعلق بھی بس وجبی سا رہ گیا،

اب ملاقات میں وہ گرمئی جذبات کہاں
اب تو رکھنے وہ محبت کا بھرم آتے ہیں

عبداللہ کی تیز طبیعت مفتی صاحب کی دھیمی طبعیت سے موافق نہیں تھی، وہ چاہتا تھا کہ اُسکے سارے سوالوں کے جواب ایک نشست میں مل جائیں، مفتی صاحب کہتے تھے کہ امتّو ں کا مزاج صدیوں میں بنتا ہے۔ تقویٰ اِختیار کرو۔ یہ 4 چیزیں دیتا ہے۔

تقویٰ سوال سکھا تا ہے
تقویٰ جواب دیتا ہے۔

تقویٰ علم دیتا ہے اور
پھر اس علم سے ملنے والے غرور کا سد باب بھی کرتا ہے۔

نوکری کے معاملات ٹھیک ہوئے تو عبداللہ کو پھر سے جوابات کی تلاش ہوئی

جھوٹ کیا ہے؟

MPL کیسے پورے ہوں؟

vision پہ کام کیسے ہو؟

جن لوگوں کا vision نہ ہو اُن سے کیا معاملہ ہو؟

میری بلّو جو پڑھائی کی ازلی دشمن ہے اُس سے ساتھ کیسے چلے؟

اب میری نئی TDL کیا ہو؟

عبداللہ ان سوالوں کے جواب چاہتا تھا مگر مفتی صاحب سے نہیں اُن کے پاس جانے سے نفس پر چوٹ پڑتی تھی اور یہ بات عبداللہ جیسے پڑھے لکھے آدمی کو قبول نہیں تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی کھونٹے سے بندھے بغیر سب کچھ سیکھ جاوے اور سالوں کی منزلیں، دنوں میں طے کرلے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبداللہ کے ایک پروفیسر دوست اسے اپنے ساتھ جنوبی پنجاب کے ایک گاؤں میں لے گئے ایک شیخ کے پاس جن کے دنیا بھر میں لاکھوں مرید تھے۔ عبداللہ نے وہاں پہنچ کر ملاقات کی کوشش کی مگر اُن کے کلاشنکوف بردار محافظین کی جماعت نے اسے ملنے نہ دیا اور کہا کہ مسجد میں جا کے بیٹھو۔

کوئی دو گھنٹوں بعد وہ حضرت تشریف لائے، نماز پڑھائی، ابھی عبداللہ سنتیں پڑھ ہی رہا تھا کہ مجمع میں سے ایک شخص اس کے اوپر ٹانگ رکھتا ہوا گزر گیا۔ عبداللہ نے سلام پھیرتے ہی اسے جا لیا۔

اُو بھائی! کدھر بھاگ رہے ہو، انسان نظر نہیں آتا کیا؟

میں حضرت کے دِیدار کو جا رہا ہوں۔ آ ؤ لائن میں لگ جاؤ، ہاتھ ملا لو، کئی روز سے رو رو کے اس دن

کی دعا مانگی ہے۔

اللہ کی مسجد میں، اللہ کی نماز میں، رورو کے کسی اور کو مانگتے ہو شرم نہیں آتی۔

عبداللہ کی آنکھوں میں انگارے بھر گئے تھے۔

حضرت سے مل لو، دو جہاں کامیاب ہو جائیں گے۔ وہ شخص تڑپا۔

بھاڑ میں گئے تمھارے حضرت، نہیں ملاتا ہاتھ۔ ساتھ جانیوالے دوستوں کے بڑے اصرار پر عبداللہ نے ہاتھ تو ملا لیا مگر یہ اس کی حضرت کے ساتھ آخری ملاقات تھی۔

واپسی پر وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اب کس کے پاس جائے

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیّاری ہے سلطانی بھی عیّاری

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ روز میں عبداللہ کا کراچی میں جانا ہوا، ایک دوست اپنے ایک شیخ کے پاس لے گئے۔ عبداللہ کمرے میں داخل ہوا تو درجنوں لوگ بھرے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب ایک نئے بندے کو "مرید نے" مرید بنانے کی کوشش کررہے تھے۔ انہوں نے ہونیوالے مرید سے پوچھا۔ یہ نیک لوگوں کی مجلس ہے۔ تم شراب تو نہیں پیتے؟ جی نہیں، جھوٹ،، بالکل نہیں، غیبت! توبہ کریں جی! کوئی لڑکی وڑکی؟ اب مرید صاحب خاموش۔

عبداللہ سے پھر صبر نہ ہوسکا اور پہنچ گیا ان دونوں کے سر پر، ارے مولوی صاحب، کیوں ڈھنڈورہ

پیٹتے ہوا ُن چیزوں کا جنھیں خدا چھپا لیتا ہے اور مرید سے کہا کے بھاگ جا یہاں سے، کیوں زندگی برباد کرنے آیا ہے۔ اور مولوی صاحب میری دعا ہے کہ اللہ آپ سے یہ تمام گناہ کروائے جن کی کنفرمیشن آپ اس بچے سے چاہ رہے تھے۔

اور اس کے بعد ظاہر ہے نہ شیخ صاحب نے کچھ "عنایت" کرنا تھا اور تو اور ساتھ لے جانے والے "دوست" بھی زندگی بھر کو کنارہ کش ہو گئے۔

جمال یاد میں رنگوں کا امتزاج تو دیکھ
سفید جھوٹ ہے ظالم کے سرخ ہونٹوں پر

آج عبداللہ کافی عرصے بعد مفتی صاحب کے پاس آیا وہ کسی سے بات کر رہے تھے۔
کہنے لگے، "اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ فلاں شخص اپنے اختیار، اثر و رسوخ یا دولت کی وجہ سے میرے حلقے میں آ جائے یا میرا مرید بن جائے تو یہ بات طریقت میں شرک ہے۔"

عبداللہ تو گویا انتظار میں تھا، اس نے سوالوں کی پوٹلی پھر کھول دی۔

پھر یوں ہوا کہ کوئی بھی منزل نہ مل سکی
بچ کر ذرا چلے تھے تیری راہ گزر سے ہم

مفتی صاحب، جھوٹ کیا ہے؟

کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ "میں" ہے۔ آدمی سارے بت توڑ دیتا ہے۔ علم کا دولت کا، شہرت کا، مارت کا، عہدے کا، شرک کا، مگر اپنی ذات کا بت بنا لیتا ہے اور اسے پوجنا شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کا ٹسٹ یہ ہے کہ خلاف معمول کوئی کام ہو جائے۔ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو پہلا خیال یہی آتا ہے کہ کل سے کسی کو اللہ کی طرف نہیں بلاؤں گا، دعوت نہیں دوں گا

tsurdu.blogspot.com

پڑھاؤں گا نہیں، اپنے کرتوت ایسے اور نام اللہ کا۔ یہ ہوا یوں کہ وہ پہلے روز سے ہی اپنا پیٹ بھر رہا تھا اور اپنے لیے ہی کام کر رہا تھا اللہ کے لیے تو تھا ہی نہیں۔

عبداللہ کو دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اٹھ کے واپس چلا آیا۔

☆☆☆

عبداللہ نے اپنے آپکو کچھ دنوں کے لیئے کمرے میں قید کیا اور شروع سے ہر بات کا جائزہ لینے لگا کہ ہوا کیا ہے

اسے احساس ہوا کہ اُس نے وژن بنا کے تمام ان لوگوں کی گردنیں اُتارنی شروع کر دی تھیں جن کا وژن بظاہر کچھ نہ ہو۔اور وہ خود پرستی کے ایسے گرداب میں پھنستا چلا گیا جس کا اندازہ اسے خود بھی نہ ہوسکا مفتی صاحب کے دو جملے اس کے کانوں میں زہر گھول رہے تھے۔

"مئے کا نشہ ایک رات میں اتر جاتا ہے" "میں " کا نشہ زندگی بھر نہیں اُترتا"

اور

"مرنے کے بعد سب سے پہلے جو چیز چھین جاتی ہے وہ اختیار ہے۔"

ساری اکڑ،فوں فاں،ٹاں ٹاں سب گئی،اب کر لو بات۔

جیسے جیسے عبداللہ سوچتا گیا ویسے ویسے اس کی حالت غیر ہوتی چلی گئی۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور بلّو اندر آئی۔

عبداللہ کی حالت دیکھتے ہی بلّو نے پوچھا اب کیا ہے عبداللہ،اب کیوں پریشان ہو؟ کس ٹرک کی لال بتی کے پیچھے بھاگ کر آئے ہو؟

اور عبداللہ بچوں کی طرح بلک بلک کے رونے لگا۔
جذبات کا جوار بھاٹا تھما تو بلّو نے کہا۔

دیکھو عبداللہ، سب سے پہلے تو دھیمے ہو جاؤ، تربیت نیستی کو کہتے ہیں۔ "میں کچھ نہیں" سے بہتری کا آغاز ہوتا ہے۔ اپنے آپ یہ کام کرو۔ جب بچہ جوان ہو جاتا ہے یا تو اُسے آ کے ماں باپ کو بتانا نہیں پڑتا بلکہ محلے والے آ کے بتا جاتے ہیں۔
میرے خیال میں جب تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ کام لیا جائے تو اللہ کے یہاں سے بلاوا خود ہی آ جائے گا اتنی بھی کیا جلدی ہے؟
لوگوں کو حقیر مت جانو، گناہگاروں کی عزت کرو، گناہ بھی تو ایک تعلق ہی ہے۔ اپنے رب سے جس اللہ نے تمہیں یہ مقام دیا ہے اسی اللہ نے کسی کو کہیں اور رکھ چھوڑا ہے۔ خدائی کاموں میں علّت نہ ڈھونڈا کرو اُس کا فضل کسی وجہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

عبداللہ کبھی کبھی کوئی شخص کچھ نہ کر کے بھی اپنا حصہ ڈال رہا ہوتا ہے، اس کی مثال میچ کے اُس کھلاڑی کی سی ہوتی ہے جو پورا میچ کچھ نہیں کرتا جسے تمہارے جیسے لوگ visionless مخلوق کہتے ہیں، مگر پھر آخری بال پہ لگنے والا باؤنڈری کا چھکا اس کے ہاتھوں میں آ کے گرتا ہے اور وہ سرخرو ہو جاتا ہے

عبداللہ، گناہ بھی اللہ کی نعمت ہوتے ہیں، یہ بندے کو بندہ بنا کے رکھتے ہیں گناہ ہو ہی نہ تو بندہ اوتار بن جائے۔ میں تو گناہگار بندی ہوں مگر پتہ نہیں کیوں لگتا ہے کہ پرسکون قلب والوں کی تہجد سے ندامت میں تڑپنے والوں کی راتیں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔

عبداللہ کان کھول کے سن لو، منزل تو بے وقوفوں کو ملتی ہے، عقلمند آدمی ہمیشہ سفر میں رہتا ہے۔

کبھی اپنے دل کے اندر تجھے دیکھتے تو رکتے
تیرے کارخِ بے مکینی کا یہ طواف کرنے والے

عبداللہ کو بلو سے اس قسم کی گفتگو کی قطعاً امید نہ تھی۔ وہ حیرت کے جھٹکے سے باہر نکلا تو کہنے لگا، اللہ کی ولی تجھے یہ سب کس نے سکھایا، بلو نے ہنستے ہوئے کہا، کیوں کیا اللہ صرف تمھارا ہے۔ کیا کسی اور کو مانگنا نہیں آتا؟ کیا کوئی کنواں دیکھا ہے جس میں پانی باہر سے ڈالتے ہوں؟ علم ہمیشہ اندر سے آتا ہے باہر سے تو معلومات ملتی ہیں۔ اور مفتی صاحب بھی صرف تمہارے تھوڑا ہی ہیں ان کے لیکچرز میں نے تم سے زیادہ سنے ہیں۔

عبداللہ ایک کام کرو عمرے پہ چلے جاؤ شاید تمھارا دل کچھ ہلکا ہو۔

عبداللہ کو آج پہلی بار احساس ہوا کہ ہنستی مسکراتی شرارتیں کرتی بلّو اندر سے کتنی گہری ہے اور اپنے آپ کی جستجو میں اس نے آج تک بلّو کو دیکھا ہی نہیں

کتنے سلجھے ہوئے طریقے سے
ہمیں الجھن میں ڈال جاتے ہو

☆☆☆

آج عبداللہ کا دن آفس میں اچھا نہیں گزرا، واپسی پر وہ سیدھا مفتی صاحب کے پاس پہنچ گیا اور پوچھنے لگا۔

مفتی صاحب یہ لوگ اتنا تنگ کیوں کرتے ہیں؟ نہ کام کرتے ہیں نہ کرنے دیتے ہیں۔ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔

عبداللہ جیسے پیسوں کی زکوۃ ہوتی ہے بلکل اسی طرح اللہ تعالی کے فضل کی یا success کی بھی ایک زکوۃ ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کا ظلم جھوٹ اور حسد برداشت کیا جائے۔ اور یہ ایسے نہیں کہ سال دو سال میں کوئی واقعہ پیش آجائے یہ ایسے برستا ہے جیسے کہ موں سون میں بارش، تم زکوۃ دیئے جاؤ اللہ کا فضل بھی مینہ بن کے برسے گا۔

ہاں! مفتی صاحب مگر جو تن بیتے وہ تن جائے

یہ تو ہے عبداللہ پاکستان میں 3 چیزیں حرام ہیں۔ سوئر کا گوشت، پڑھنا اور سچ بولنا۔ ان تمام باتوں سے واسطہ تو پڑنا ہی ہے۔

اچھا ایک بات بتائیں یہ کیسے پتہ لگے کہ بندہ جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ صحیح راستے پر ہے بھی یا نہیں؟

جب کوئی بندہ صحیح راستے پر ہوتا ہے تو 3 میں سے ایک کام ہوتا ہے۔

1۔ اللہ اُس کا دل کسی کام کے لیے کھول دیتا ہے اور پھر دنیا ایک طرف اور وہ ایک طرف وہ صرف وہی کام کرتا رہتا ہے۔

2۔ اُس کا جس بندے سے تعلق ہوتا ہے وہ اُس سے جا کے پوچھتا ہے کہ کیا کروں تو اللہ اس کے ٹیچر / شیخ کے دل میں کوئی بات ڈال دیتے ہیں وہ اُسے وہی مشورہ دے دیتا ہے اور بندہ کام سے لگ جاتا ہے۔

3۔ تیسرا case بڑا interesting ہے بندہ بڑا کمزور ہوتا ہے۔ اللہ کو پتہ ہوتا ہے کہ کسی کام میں ڈال دیا تو بہک جائے گا اب یہ بندہ تمام عمر ٹا مک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے اور کوئی بڑا کام نہیں کر پاتا مگر جب مرتا ہے تو فلاح پا جاتا ہے۔

اچھا ہے یہ بتائیے ٹیچر / اُستاد کون ہوتا ہے؟

نلکا دیکھا ہے کبھی آپ نے دھوپ میں گرمی کی شدت سے تپ رہا ہوتا ہے۔
اب کوئی آدمی آئے اور اس میں سے ٹھنڈا پانی نکلے تو بندہ کتنا خوش ہوگا۔

مگر اگر نلکے کی زبان ہوتی تو بندے کا شکریہ ادا کرتا کہ تو آیا تو میرے میں سے بھی پانی گزر گیا۔ اسی طرح ہر طالب علم اپنا رزق لے کے آتا ہے۔ یہ اس کی طلب ہے جو پانی کھنچتی ہے ٹنکی میں سے۔ نلکے کو اترانا نہیں چاہیے۔ اگر مانگنے والے ہاتھ نہ رہیں تو دینے والے کا مصرف نہیں بچتا۔ بس اللہ سے مانگتا رہے۔ جیسے پیٹرول، پیسہ خرچ ہو جاتا ہے، اسی طرح روحانیت بھی خرچ ہو جایا کرتی ہے پھر آپ لوگوں سے ملتے ہیں تو وہ آپکو consume کر لیتے ہیں۔ بندے کو چاہیے

کہ رات کی تنہائی میں اپنے رب سے connect ہو کے چارج ہو جایا کرے۔

اچھا تو یہ بتائیں کہ راہبر mentor کا انتخاب کیسے کیا جائے؟

چند باتیں دیکھ لیں؛

1۔ تربیت کہاں سے ہوئی ہے؟ کس سے کہاں پڑھا ہے۔ تربیت کے لیے زندوں کے پاس جانا ہی پڑتا ہے۔
2۔ تقوی اور ذکر سے واسطہ ہو۔
3۔ کتابیں پڑھتا ہو، آس پاس موجود معاشرے کے اتار چڑھاؤ کا علم ہو۔
4۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی ٹیچر ضرور ہو۔ خود سے اس فیلڈ میں پختگی نہیں آتی.

عبداللہ، مفتی صاحب نے بات جاری رکھی، صالح سے پہلے مصلح بننے کا شوق ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ اُسے بیٹے سے پہلے باپ بننا ہے۔ ایسا آدمی ایک پورے حلقے کو برباد کر جاتا ہے۔
مفتی صاحب کیسے یقین آئے کہ بندہ جو کچھ کر رہا ہے بس ٹھیک ہے اور دل ایک طرف ہو جائے۔
"یقین کا نہ آنا ہی بہتر ہے۔ یہ ڈر و خوف رہے کہ جو کچھ بھی کر رہا ہے پتہ نہیں قبول ہو گا بھی کہ نہیں بڑی اچھی چیز ہے۔ اسی امید و خوف کے بیچ زندگی گزر جائے، جوانی میں خوف غالب رہے تو بڑھاپے میں اُمید۔ یقین کا نہ ملنا ہی اچھی بات ہے۔"

اچھا اب آخری سوال، جی فرمایئے (مفتی صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا)

میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتا ہوں۔ دنیا بھر میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہے ہیں میں کیا کروں؟

" کمرہ بند کر کے کنڈی لگا کے بیٹھ جائیں۔ اپنے آپ پہ کام کریں۔ جس فیلڈ میں آپ ہیں اُس

میں کمال حاصل کریں اور فی الحال باقی ساری فکریں چھوڑ دیں۔"

محبت دونوں عالم میں جا کر یہ پکار آئی
کہ جسکو یار نے چاہا اسی کو یادِ یار آئی
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبداللہ کی زندگی میں اب کافی ٹھہراؤ، کافی دھیما پن آ گیا تھا۔ اب اس نے گھر اور بچوں پر توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ کچھ دنوں میں بڑے بیٹے کا رزلٹ آ گیا۔

انگریزی اور ریاضی میں 90% سے زائد مارکس جبکہ اُردو میں صرف 40%۔

بلّو نے عبداللہ سے کہا کہ کوئی tutor لا دو۔ عبداللہ انگریزی اور ریاضی پڑھانے کے لیئے tutor لے آیا۔ بلو نے خوب سنائی کہ مارکس تو اردو میں کم ہیں۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ ہم عمومی طور پر ایک well-rounded پرسنلٹی کا خواب دیکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ پڑھائی میں بھی ٹاپ کرے اور کھیل میں بھی۔ ڈرامہ بھی کرے اور بیت بازی بھی۔ بچوں پہ رحم کھانا چاہیئے۔ اِنسان کے بچے ہی فیکٹری میں تھوڑا ہی بنے ہیں مجھے عبدالرحمٰن کو غالب یا اقبال نہیں بنانا۔ مگر انگلش میں شیکسپئر ضرور بنے، ریاضی میں پال آرڈش بن جائے۔ جو strength ہے اس پہ فوکس کرتے ہیں، weakness کو فی الحال چھوڑ دیتے ہیں۔ بلّو کو اِس بار بھی عبداللہ کی منطق سمجھ نہ آئی مگر وہ ہنس کے خاموش ہوگئی کہ چلو اسی بہانے یہ بچوں میں دلچسپی تو لے رہا ہے۔ عبداللہ نے اب تینوں بچوں کو گھر میں خود بھی پڑھانا شروع کر دیا تھا اور وہ ساتھ ساتھ انھیں قرآن پاک کی تعلیم بھی دلوا رہا تھا۔ مگر وہ اسلامی تعلیم سے کچھ مطمئن نہ تھا۔

ایک دن اپنے ایک دوست سے ذکر کیا۔ جو کسی یونیورسٹی میں بڑے پروفیسر تھے۔ عبداللہ نے کہا۔

پروفیسر صاحب میں بچوں کی دنیاوی تعلیم سے تو مطمئن ہوں مگر دینی تعلیم سے نہیں۔ مولوی صاحب صحیح نہیں پڑھاتے میں کیا کروں۔

عبداللہ تم بچوں کی اسکول فیس بھرتے ہو!
جی 50 ہزار فی بچہ تو ایڈمیشن کے دیئے ہیں۔ 9 ہزار ماہانہ الگ

تو 27 ہزار فیس ہے 3 بچوں کی، اسٹیشنری اور trip کا خرچہ الگ اور آنے جانے کی transportation۔ کل کتنا ہوا۔ پروفیسر صاحب نے سوال کیا۔ عبداللہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے متعجب لہجے میں بولا' کوئی 35 سے 40 ہزار ہونگے۔

اچھا اور مولوی صاحب جو گھر پڑھانے آتے ہیں انھیں کیا دیتے ہو؟
جی 1500 روپے مہینہ تینوں بچوں کے۔ عبداللہ نے شرمندگی سے جواب دیا۔

تو بھئی سیدھی سی بات ہے۔ کوئی ایسا مولوی ڈھونڈو جو ایڈمیشن کے ڈیڑھ لاکھ لے پھر کم از کم 15 ہزار مہینہ۔ پھر دیکھو دینی تعلیم کیسی جاتی ہے۔

عبداللہ شرمندہ گھر لوٹا اور مولوی صاحب تبدیل کر دیئے۔

کیا ہماری نماز کیا روزہ
بخش دینے کے سو بہانے ہیں

☆☆☆

آج عبداللہ بہت خوش تھا، اُسے آج آفس سے عمرے کی چھٹی مل گئی تھی۔ کچھ ہی روز بعد عبداللہ بلّو کے ساتھ عمرے پہ جا رہا تھا۔ عجیب سی کیفیت تھی شرمندگی بھی، یاسیت بھی، اُمید بھی اور ڈر بھی۔

راستے بھر سوچتا رہا کہ کیا دعائیں مانگے گا اور کعبتہ اللہ پر نظر پڑتے ہی کیا کہے گا۔ سنا تھا لوگوں کو رونا آتا ہے، غشی طاری ہو جاتی ہے۔ مگر عبداللہ کو ایسا کچھ نہ ہوا، ایک عجیب سا سرور تھا جو اُسے محسوس ہو رہا تھا، اُس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

"مَن جا میرے ربا، مَن جا میرے ربا،

ہاتھ جوڑ کے تجھ سے تجھی کو مانگنے آیا ہوں، نامراد نہ لوٹانا

سخی کی شان ہوتی پر کہ پکڑ لے تو چھوڑ دیا کرتا ہے، پچھو نہیں میرے اللہ، پوچھنا مت، حساب مت لینا اللہ ایسے ہی چھوڑ دینا۔

ٹوٹا ہوا پڑا ہوں تیرے بام و در کے پاس
بکھری ہوئی فضا میں کوئی داستاں سی ہے "

tsurdu.blogspot.com

طواف میں عبداللہ طرح طرح کی دعائیں مانگتا رہا۔اللہ مجھے گھر دے دے،اللہ مجھے گاڑی دے دے،اللہ علم دے،اللہ لکھنا سکھا،اللہ بولنا سکھا،اللہ تقویٰ دے،اللہ ہاتھ پکڑ،اللہ راستہ دکھا،اللہ رسوانہ کرنا،اور پتہ نہیں کیا کیا۔
عمرے سے فارغ ہو کے عبداللہ نے کعتبہ اللہ کے سامنے بیٹھے بیٹھے فی البدیہہ نظم پڑھ ڈالی دعا میں۔

''جو عاصی پر برستی ہو وہ رحمت لینے آیا ہوں''

میں دانش لینے آیا ہوں میں حکمت لینے آیا ہوں
تیرے دربار سے میں عزم و ہمت لینے آیا ہوں
تیرے در پہ میں توبہ کرنے آیا ہوں میرے اللہ
میں نادم ہوں مگر تیری محبت لینے آیا ہوں

گناہوں میں بسر کر دی ہے میں نے زندگی اپنی
میں تجھ سے نیکیاں کرنے کی مہلت لینے آیا ہوں

زمیں و آسماں کی سختیاں ہمراہ رہتی ہیں
میں تجھ سے ان سے بچنے کی سہولت لینے آیا ہوں

کبھی گھر ہے کبھی دفتر، کبھی ہیں کھیل کے میداں
جو گذرے یاد میں تیری وہ فرصت لینے آیا ہوں

جو مانگوں وہی مل جائے تو کیا کہنے زمانے میں
ضرورت جس کی ہے حسب ضرورت لینے آیا ہوں

تھکا ماندہ ہوں اور جینے کی ہمت ہار بیٹھا ہوں
گناہوں سے ہو چھٹکارا وہ طاقت لینے آیا ہوں
امارت سے حکومت سے مجھے کیا غرض کیا لینا
جو کاٹوں تیری چاہت میں وہ فرصت لینے آیا ہوں

نہ مانگوں گا کسی در پر جو تیرے در سے مل جائے
جو عاصی پر برستی ہو وہ رحمت لینے آیا ہوں

سخاوت کی عنایت کی تو اپنی شان ہو تی ہے
صحابہ میں جو بٹتی تھی وہ الفت لینے آیا ہوں

میری نادانیاں داناؤں سے ہیں دوریاں دیتیں
تیرے دربار سے فہم و فراست لینے آیا ہوں

کہیں حضرت کہیں مرشد کہیں گنبدو مینارے
جو تیری راہ نہ مارے وہ صحبت لینے آیا ہوں

یہ آہیں اور آنسو حاصل اوقات دنیا ہیں
جمع پونجی سبھی دے کے شفاعت لینے آیا ہوں

سیاہ کاری، زیاں کاری، گناہوں سے بھری محفل
چھڑا دے جو برائی سے وہ آیت لینے آیا ہوں

بھلا یہ بھی کوئی سودا کہ عقلوں کا سیاپا ہے
ندامت دے کے اے مولا بصیرت لینے آیا ہوں

اٹک جائے تو سیدھی عرش سے جو خیر لے آئے
نہیں پُر پیچ گفتاری، میں لکنت لینے آیا ہوں

اخوت ہو، عقیدت ہو مجھے ذات الٰہی سے
ملادے پھر مجھے رب سے وہ رغبت لینے آیا ہوں

جنہیں نہ خوف بندوں کا نہ فکر حالت دنیا
نہیں منظور سلطانی ہدایت لینے آیا ہوں

کرم کر تو میرے دل پر تو اس کو پھیر دے مولا
جو ذروں کو تجلی دے وہ قدرت لینے آیا ہوں

تجھے مانگوں تجھے چاہوں تیری مخلوق کو چاہوں
جو دنیا کو سکوں بخشے وہ صورت لینے آیا ہوں

میرے اعمال ہیں خالی، میری جھولی بھی چھلنی ہے
لٹانے سے نہ کم ہو، ایسی دولت لینے آیا ہوں

یہ دنیا کے نظارے دھوکا دیتے ہیں سدا مجھ کو
نظر آئے جو جلوت میں وہ خلوت لینے آیا ہوں

نہ ساغر ہے نہ مہ خانہ، پلا اب ہاتھ سے ساقی
جو صہباء کی جگہ لے لے وہ شربت لینے آیا ہوں
میں تیری شان کے صدقے، میں ہوں ذیشان دنیا میں
جو بٹتی ہے فقیروں میں وہ دولت لینے آیا ہوں

☆☆☆

عمرے سے فارغ ہو کے عبداللہ مدینۃ المنوّرہ گیا۔ وہاں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر دل کو بڑا سکون ملا۔ یوں بھی رمضان کی طاق راتیں تھیں۔ عبداللہ نے پوری کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ عبادت ہو سکے۔

میں تیرے ساتھ جفت ہو جاؤں
دعا مانگی ہے طاق راتوں میں

عبداللہ نے اپنی پہلی نعت بھی یہیں کہی، اور دن رات زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کرتا رہا مگر وہ نہ ہوئی۔

آج آخری روز جاتے جاتے عبداللہ نے اصحابِ وصّفہ کے چبوترے پہ بیٹھ کے اپنی نعت پڑھ دی۔

ایک ملاقات
سلام اے داوِدِ محشر، سلام اے لوح یزدانی
سلام اُس پر کہ جس پر ختم ہوئی سب کی سلطانی

سلامی ہو غلاموں کی، غلاموں کے غلاموں کی
سلام اُس پر کہ جسکی شان کا ہمسر نہ ہی ثانی

سلامی خالی ہاتھوں سے سروں کو پاؤں پہ رکھ کے
تہی دامن، بھری آنکھیں، یہی میری پریشانی

اگر کچھ کہہ سکوں حضرت، میرا کُل مدّعا یہ ہے
گناہوں کے شکنجے میں گرفتہ روحِ ایمانی

نہیں ہے دردکا "ماں، میرے آقا میرے مولا
جہاں تک یہ نظر جائے نظر آتی ہے ویرانی

ریا کاری، سیاہ کاری، گناہوں سے بھری ڈالی
میری زندگی کے روگ ہیں رنگیں و طُولانی

کہیں ہیں دین کے تاجر کہیں دنیا کے بیوپاری
لُٹا ہوں کب کہاں کس سے؟ فقط ہے ایک حیرانی

بچھڑتا جارہا ہوں میں تیری اُمت کے ساحل سے
میرا تو نفس ہے ملاح اور موجیں ہیں طوفانی

گناہوں کی سیاہی سے مسخ ہے چہرہ میرے آقا
شفاعت کا بھلا کیا ہو آپ نے گر صورت نہ پہچانی

میرا ہاتھوں میں لے کے ہاتھ بس اِک دُعا کر دیں
خُدایا یہ تیرا بندہ بس ہوگئی ہے نا دانی

الٰہی بخش دے اِس کو یہ میرے پاس آیا ہے
تیری رحمت کے آگے ہیچ ہیں یہ کار اِنسانی

گناہوں سے خُلاصی مانگ لیں اپنے وسیلے سے
یہی اِک عرض ہے کرنی نہیں کچھ بات منوانی

اپنی پرچھائی میں لے لیں مجھے اے یارسول اللہ
بھلا کیوں راس نہ آئے مجھے تیر ی نگہبانی

درِ معشوق یہ عاشق تڑپتا کیسا لگتا ہے
نہیں ہے بس میں شاعر کے یہی اِک بات مستانی

عمرے سے واپس آ کر عبداللہ نے اپنے آپ اور گھر والوں پہ کام شروع کر دیا اور دنیا سے تقریباً لا تعلق ہو گیا۔ دوست احباب کم ہوتے چلے گئے۔ امین بھائی اور احمد صاحب سے کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی۔ ایک درد کا احساس تھا جو عبداللہ کو ہوتا اور وہ اُن سے بھی دور ہوتا چلا گیا۔ بات یہ نہیں تھی کہ وہ جو کچھ پڑھا رہے تھے وہ غلط تھا۔ خود عبداللہ کو اس نے بڑا فائدہ پہنچایا، سوگ اس بات کا تھا کے ایسے بڑے لوگوں سے سیکھ کر بھی عبداللہ کورا رہ گیا، وہ کنویں سے بھی پیاسا آ گیا۔ اس نے صحیح لوگوں سے بھی غلط چیز سیکھ لی اور جو علم اسے ملا وہ اُسے برتنا نہ آیا۔

جب بھی اِن کورسز کا خیال آتا، عبداللہ کو اپنے اندر موجود "میں" یاد آجاتی اور وہ تکلیف سے آنکھیں بند کر لیتا۔

گرفتہ دل ہیں بہت آج تیرے دیوانے
خدا کرے کوئی تیرے سوا نہ پہچانے

☆☆☆

جب کبھی جاب یا کوئی اور مسئلہ پیش آتا عبداللہ مفتی صاحب کے پاس پہنچ جاتا۔ اور وہ کوئی نہ کوئی تسلی بخش جواب دے دیتے ایک دن عبداللہ نے پوچھا کہ اُسے ہی کیوں اتنی پریشانیاں آتی ہیں۔ ایک دنیا ہے جو مست ہے۔ خوش وخرم ہے، اِسی کے دل کو چین کیوں نہیں آتا یہ سر پھٹول قسم کے لوگ اس کے ہی نصیب میں کیوں؟

مفتی صاحب نے دھیمے سے جواب دیا کہ عبداللہ ہم مریضوں کے معاشرے میں زندہ ہیں۔ حتی الامکان صبر کیا کرو۔ اس معاشرے میں سچ بولنے کی زکوۃ تنہائی ہے۔ کوئی جانور پال لو کہ کہنے سُننے کو کوئی تو ہو پاس میں۔

ابھی عبداللہ کی زندگی میں کچھ ٹھہراؤ آ ہی رہا تھا کہ اُسے امریکہ سے ایک فیلوشپ اور مل گئی 2 ماہ کے لیئے۔ وہ خوشی خوشی گیا اور درجنوں میٹنگز کی۔ اس بار اس نے امریکہ ایک نئے رنگ سے دیکھا وہ یہ جاننے کی کوشش کرتا رہا کہ ورلڈ کلاس ادارے بنتے کیسے ہیں۔ وہ کون سی سوچ، کون سے لوگ ہوتے ہیں۔ جو اِن کی بنیاد رکھتے ہیں۔ وہ درجنوں تھنک ٹینکس میں گیا۔ بڑی بڑی یونیورسٹی کے سربراہاں سے مِلا اور ایک سے بڑھ کے ایک وژنری بندے سے ملا۔ اسے احساس ہوا کہ اگر بڑا کام کرنا ہے تو دنیا سے اچھائی یا تعریف کی امید نہیں رکھنی چاہیے اور سر جھکا کے کام کرنا چاہیئے۔

عبداللہ فیلوشپ سے واپس آیا اور جاب سے استعفیٰ دے دیا۔ اب کی بار تو بلّو بھی پریشان ہوگئی کہ کیا ہوگا۔ یونیورسٹی وہ چھوڑ چکا تھا اور کارپوریٹ ورلڈ سے بھی دِل اُچاٹ ہوگیا۔ عبداللہ اب کیا

کروگے؟ بچوں کی پڑھائی کا کیا ہوگا؟ گاڑی بھی نہیں رہے گی۔ گھر بھی اور کوئی saving بھی نہیں ہیں جتنا پیسہ کمایا تم نے سب لگا دیا پڑھائی، کتابوں اور صحرانوادی (دنیا گھومنے) میں۔

الہٰی راہِ محبت کو طے کریں کیسے
یہ راستہ تو مسافر کے ساتھ چلتا ہے

بلّو یہ 9 سے 5 والی جاب خوابوں کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ ہم اپنی کمپنی کھولیں گے۔ اپنی مرضی کا کام کریں گے۔ اتنے تو پیسے مل ہی جاہیں گے کہ دو وقت کی روٹی کھا سکیں۔ ہم دن رات کو مکس کر دیں گے تو تیاری پکڑ آج رت جگا ہے۔

"اللہ سائیں، تھک گیا ہوں لوگوں کی غلامی کرتے کرتے کسی اور کے وژن پہ کام کرتے کرتے۔ آج سے تو میرا CEO بن جا اور کوئی اچھا سا کام لے لے، کہ میری دنیا اور دین دونوں سنور جائیں۔ آمین!"

عبداللہ نے شہر میں کیلوریز کے مطابق برگرز کی دکان کھول لی۔ بلّو نے بڑا سمجھایا کہ دنیا ہنسے گی کے Phd کر کے برگر بیچ رہے ہو مگر عبداللہ نے ایک نہ سنی۔ کہنے لگا کہ بلّو دل میں ایک بڑا قبرستان بنا کے کل جہاں کو ایک بار ہی دفنا دو اور فاتحہ پڑھ لو تا کہ آج کے بعد کسی کی تعریف سے کوئی فرق نہ پڑے نہ بُرائی سے۔

دُکان تو کھل گئی مگر گیس نہ لگ سکی۔ رشوت کے بغیر اِس ملک میں کوئی کام مشکل سے ہی ہوتا ہے۔ کبھی سلنڈر دستیاب تو کبھی نہیں۔ کچھ ہی مہینوں میں عبداللہ کو دکان بند کرنی پڑی۔ نقصان الگ ہوا۔

بادشاہت کا اعتبار ہی کیا
احتیاطاً فقیر رہتا ہوں

☆☆☆

اب کی بار بلّو نے سوچا کہ کپڑوں کا بوتیک کریں۔ یہ کام اچھا چل نکلا مگر کچھ ہی ماہ میں مینجر پیسے لے کے بھاگ گیا۔ اور عبداللہ اور بلّو پھر روڈ پر۔۔۔ بلّو نے ہنستے ہوئے عبداللہ سے کہا کہ آپکے ابو ٹھیک ہی کہتے تھے، پتہ نہیں کس فقیر کی بددعا ہے۔ تمھارا کوئی کام نہیں چلتا۔ ایک مسلسل گرداب ہے جس میں پھنسے رہتے ہو۔

عبداللہ نے ہنس کے جواب دیا کہ بلّو زندگی نام ہی ہمت اور محبت کا ہے۔ کم ہمت لوگوں کو مر جانا چاہیے تا کہ ہمت والے ریسورسز کا استعمال کر سکیں۔ تو غم نہ کر۔ بچوں کا اِسکول چھُٹ چکا تھا۔ گاڑی بِک چکی تھی اور کوئی راہ سُجھائی نہ دیتی تھی۔ آج عبداللہ نے پھر رت جگا کرنا تھا۔

"یا اللہ! پھر سے ناکام ہو گیا۔ اب تو نیا کام کرنے کے بھی پیسے نہیں ہیں۔ اب تک بلّو نے بڑا ساتھ دیا ہے۔ وہ بھی پریشان ہے۔ بچوں کی پڑھائی بھی چھوٹ چکی ہے۔ تو ہی ہے تیرے سوا کسی سے نہ مانگوں گا۔ تو ہی مدد کر"۔

ہمارے ہی لہو کی روشنی زیبا ہے دنیا میں
ہم ہی چشم و چراغ زندگی مانے نہیں جاتے

(زیبا کیرانوی)

عبداللہ نے اگلے ہفتے سافٹ ویر ڈویلپمنٹ کی کمپنی کھول لی۔ اِس کام میں اُس کا نام بھی تھا اور وہ

ماہر بھی تھا تو کچھ کام ملنا شروع ہو گیا۔عبداللہ نے ایک بار پھر دن ورات کا فرق باقی نہ رکھا اور کمپنی دیکھتے ہی دیکھتے ترقی کرتی چلی گئی۔

اُسے ایک سرمایہ کار سے Angel Funding بھی مل گئی اور صرف ایک سال کے عرصے میں عبداللہ کا اپنا گھر اپنی گاڑی بھی ہو گئی اور بچوں کی پڑھائی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا معاشی فراغت نصیب ہوئی تو عبداللہ کی توجہ پھر ذکر وا ذکار کی طرف آئی۔وہ رمضان میں مفتی صاحب کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھنے کا ارادہ رکھتا تھا کہ خوب گزرے گی مل بیٹھیں گے جو دیوانے دو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج عبداللہ کی ملاقات ملک کے ایک مایہ ناز صحافی سے ہوئی۔عبداللہ نے اُن سے پوچھا کہ وہ لکھنا چاہتا ہے کوئی مدد کریں۔انھوں نے جواب میں عبداللہ کی عمر پوچھی۔35 سال۔آپ یہ خیال چھوڑ دیں۔صحافی نے فیصلہ سنایا۔

کیونکہ اگر آپ میں لکھنے کا ہنر ہوتا تو اب تک دنیا آپ کا نام جان چکی ہوتی۔

دیکھئے میں دنیا کے 200 ممالک گھوما ہوں میں نے آپ کا نام نہیں سنا۔اس کا مطلب ہے کہ صحافت کیا آپ نے دنیا کی کسی فیلڈ میں بھی کامیابی حاصل نہیں کی اور نہ آئیندہ کر سکتے ہیں۔35 سال ایک لمبی عمر ہوتی ہے کچھ کر دِکھانے کے لیے، آپ کیا کرتے رہے ہیں۔آپ کا وِژن کیا ہے؟ اگر کوئی ہے تو؟

عبداللہ نے جواباً کہا جی کوشش کر رہا ہوں کہ انسان بن جاؤں، بندہ بن جاؤں بس اور کچھ نہیں۔

اِتنے میں صحافی کے ساتھ موجود ایک پولیس اِفسر نے سوال جھاڑ دیا۔ ارے! آپ وہی عبداللہ تو نہیں جو سنیٹر سکالرشپ پر امریکہ گئے تھے اور ابھی حال بھی میں ایک اور فیلوشپ کر کے آئے ہیں!

جی ہاں! میں وہی ہوں؟
آپ تو غدار ہیں، امریکہ کے ایجنٹ ہیں۔

یہ قطعاََ غیر متوقع وار تھا۔ عبداللہ نے بمشکل تمام اپنے غصے کو سنبھالا اور دھیمی آواز سے کہا۔ ماشااللہ۔ آپکی ان معلومات کا ماخذ کیا ہے۔

فلاں مولوی صاحب نے ایک مجلس میں یہ بات کہی تھی۔

بات آئی گئی ہوگی۔ عبداللہ مولوی صاحب سے نہ صرف مل چکا تھا بلکہ انھیں جانتا بھی تھا۔

اگلے دن عبداللہ اُن کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔

سلام دعا کے بعد عبداللہ نے عرض کی، حضرت یہ واقعہ ہوا ہے میں نے سوچا بجائے اس کے کوئی بد گمانی رکھوں ڈائیریکٹ آپ سے ہی پوچھ لوں۔

مولوی صاحب گویا ہوئے۔
"نہیں بھئی۔ ہم نے تو صرف یہ کہا تھا کہ ڈاکٹر عبداللہ کی پرسنلٹی پہ تشویش ہے۔"

باقی باتیں دنیا نے خود ہی لگا لیں۔ عمومی طور پر جینز جیکٹ پہننے والوں کو مذہبی طبقے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ وہ لڑکیوں وغیرہ کے چکر میں رہتے ہیں۔ جو بار بار امریکہ جائیں وہ شراب سے کہاں

بچ پاتے ہیں؟

ارے حضرت تو زانی ہو گیا، شرابی ہو گیا، غدار اور امریکی ایجنٹ کیسے ہوا۔

جانے دو عبداللہ بہت سی باتیں اگر نہ کہیں تو "اٹھا لیئے جائیں گے۔" تمھیں اِن باریکیوں کا نہیں پتہ۔ وطن کی محبت کے ثبوت کی طور پر غیروں کی بُرائی لازم ہوتی ہے۔

جی حضرت سچ کہا۔ اٹھائے تو ایک دن سب ہی جائیں گے اور بڑا ہی سخت دن ہو گا وہ۔ ٹھیک ہے وہیں ملتے ہیں۔

اور عبداللہ دِل پہ ایک زخم اور سجائے واپس آ گیا۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

☆☆☆

عبداللہ اِس رمضان کو بھرپور طریقے سے منانا چاہتا تھا اور اُس نے اہتمام کی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ روزے تراویح، ذکر اذکار، نمازیں، تلاوت و نوافل سب پورے جا رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار ایسا رمضان میسر آیا تھا کہ اُس پہ پڑھائی کا بوجھ نہیں تھا نہ ہی جاب کی جھنجھٹ۔ کمپنی کے سارے کام ایک ماہ کے لیئے بلّو کے حوالے کر کے عبداللہ نیکیاں کرنے میں جُتا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ رمضان کی طرح اعتکاف بھی پرفیکٹ ہو جائے تو مزہ آجائے۔

اعتکاف میں بیٹھنے سے 2 دن پہلے عبداللہ کو ایک فون کال آئی۔

ہیلو۔ سر عبداللہ؟

جی بول رہا ہوں۔

آپ کیسے ہیں؟ میں آپکو مِس کرتی ہوں، میں آپکے ساتھ یونیورسٹی میں تھی آپکی اسٹوڈنٹ۔

جی ہاں۔ یاد آیا میں ٹھیک ہوں۔ میں بھی آپکو یاد کرتا ہوں۔

اور عبداللہ نے کوئی 10 منٹ بات کی۔

فون رکھا تو احساس ہوا کہ کئی جملے نامناسب تھے اور اسے کسی بھی طرح اُس کڑکی کے جذبات کو سراہنا نہ چاہیئے تھا۔

پرفیکٹ رمضان کا بُت دھڑام سے زمیں پر آ گرا۔ ایسی مذامت ہوئی کہ عبداللہ کو بخار چڑھ گیا اور اگلے روز روزہ بھی نہ رکھ سکا۔ جس کا اُسے شدید افسوس رہا۔

آج اعتکاف کا دن تھا، عصر کے بعد مسجد پہنچنا تھا مگر عبداللہ ہسپتال میں 104 بخار میں تپ رہا تھا۔ ظہر کے بعد عبداللہ نے بمشکل تمام اپنے ہاتھ اُٹھائے اور دعا مانگی۔

"اے اللہ! اے میرے مالک۔ غلطی ہوگئی میں کسی کام کا نہیں ہوں معاف کر دے۔ امریکہ میں Wedding Crashers بہت ہوتے ہیں۔ بن بلائے مہمان مجھے بھی Etkaf Crasher کے طور پر ہی بلا لے۔

میرا بخار اتار دے۔ جہاں اتنے سارے نیک لوگ آئیں گے وہاں اس بدکار کو بھی بلا لے۔ مثال کے طور پر کہ لوگ مجھ کو دیکھ کے کہہ سکیں گے کہ ایسے لوگوں کو اللہ نہیں بلاتا۔ میرے مالک شادی میں لوگ فقیروں کو بھی کھانا کھلا دیتے ہیں۔ تو اس فقیر کو بھی بلا لے۔ معاف کر دے میرے مولا! اب نہیں کروں گا"۔
عصر سے کچھ پہلے عبداللہ کا بخار ٹوٹ گیا اور عبداللہ آخری منٹ پر مسجد پہنچ گیا۔

مسجد میں ناموں کا اندراج ہو رہا تھا کہ ایمرجنسی کی صورت میں کسی سے Contact کیا جا سکے۔ عبداللہ نے ڈر کے مارے اپنا جعلی نام لکھوا دیا کہ کہیں نام کی وجہ سے اعتکاف سے ہی نہ نکالا جائے۔ ویسے بھی وہ اعتکاف کریشر ہی تو تھا۔

بخشش تیری آنکھوں کی طرف دیکھ رہی ہے
محسن تیری دربار میں چپ چاپ کھڑا ہے

☆☆☆

آج رات بڑی بھاری گزری، گناہوں کی کسک بار بار ہچکولے لیتی اور عبداللہ کو اپنی ذات سے نفرت ہورہی تھی۔مفتی صاحب سے فجر کے بعد تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا تو عبداللہ نے جاکے سب کچھ بیان کردیا۔

کہ کیا کالے کرتوت کر کے یہاں چلا آیا ہے۔اُسے ڈر تھا کہ کہیں اُس کے اعمال کی نحوست کی سزا میں اللہ تعالیٰ اُس سے مفتی صاحب کا ساتھ بھی نہ چھین لیں۔وہ ایک بار پھر کنویں سے پیاسا نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔مفتی صاحب نے تمام بات سنی اور کہا سو جاؤ عبداللہ، کوئی بات نہیں، ہوتا ہے، چلتا ہے۔اللہ معاف کرنے والا ہے۔

عبداللہ سونے لیٹ گیا مگر یہ دعا مانگتے مانگتے۔۔۔

"اے میرے اللہ! میں آج تیری حسنِ مزاج کا قائل ہوگیا ہوں، تو ہی نیکیاں کرواتا ہے۔تو ہی گناہ کرواتا ہے۔تاکہ شاید میں بندہ بن کے رہوں۔تو مجھے آسانی والا راستہ دے۔مجھ پہ کرم کر میرے مالک!"

عبداللہ آج سید مبارک شاہ کی یہ نظم پڑھتے سو گیا۔

مصنف ہے

کہانی اُس نے لکھی ہے
سبھی کردار اس کے ہیں
کوئی مجرم، کوئی ملزم، کوئی معصوم ہے لیکن
سبھی انداز اس کے ہیں
پسِ منظر وہ پوشیدہ سبھی پھر بھی
سرِ منظر سبھی غماز اس کے ہیں
ہدایت کار بھی خُود ہے
اِسی کے ہی اشارے پر
اداکاروں نے کرداروں کو ایسی جانفشانی سے نبھایا ہے
کہ اِک لکھی ّ کہانی کو حقیقت کر دکھایا ہے

مگر اِس داستاں کا آخری حِصہ قیامت ہے
قیامت ہے کہانی کا مصنف آپ منصف بن گیا آخر
کہانی ختم ہونے پر
ادارکاری کے پیکر سے نکل کر
اپنی اجرت مانگنے والے ادارکاروں سے کہتا ہے

کہ میں تم کو تمھارے اپنے کرداروں کے کرموں کا صلہ دوں گا
میں منصف ہوں مگر اپنی رضا سے فیصلہ دوں گا
کہانی ختم ہونے پر
انھیں اذنِ تکلم تو نہیں لیکن
ادارکاروں کو منصف کے رویے سے فقط اِتنی شکایت ہے
کہ منصف تو مصنف تھا

کہانی اُس نے لکھی تھی
سبھی کردار اُس کے تھے۔

☆☆☆

عبداللہ سو کے اٹھا تو کافی فریش تھا اور ایک عجیب سی خوشی کا احساس بھی۔ خوشی اس بات کی اپنی ذات کا جو بت وہ پچھلے 35 سالوں سے اٹھائے پھر رہا تھا وہ چکنا چور ہو گیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ میں تو نکلتی نہیں زندگی ختم ہو جاتی ہے مگر وہ آج اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ جو نیکی دعوی پیدا کرے اس سے وہ گناہ بہت بہتر ہے جو توڑ کے رکھ دے اور آج بلّو کی بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ گناہ بھی اللہ کی نعمت ہوتے ہیں۔

با ہر ہیں حدِ فہم سے پرندوں کے مقامات
کیا تجھ کو خبر کون کہاں جھوم رہا ہے

☆☆☆

طبیعت سنبھلی تو وہ مفتی صاحب کے پاس جا کے بیٹھ گیا جو لوگوں سے باتیں کر رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ

" گناہ کرنے سے زندگی کم ہو جاتی ہے اور وقت سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ خصوصًا جس جگہ سے اللہ رزق دیتا ہے وہاں گناہ کرے گا تو شاید روزی بڑھ جائے مگر برکت نہیں رہے گی"۔

عبداللہ کو وہ تمام فلمیں گانے یاد آئے جو اُس نے اپنے لیپ ٹاپ پر دیکھے تھے۔ وہ لیپ ٹاپ کی ہی مدد سے تو رزق کماتا ہے۔ اُس کا سر ندامت سے جھک گیا۔ اُس نے جھٹ سوال کر دیا۔
مفتی صاحب: ندامت کی انتہا کیا ہے؟
" چھوڑ دے اُس کام کو جس سے ندامت ہو رہی ہے۔ ایک دن مرنا ہے، اللہ کا سامنا کرنا ہے کیا جواب دے گا۔ چاہیئے کہ بندہ بن کر رہے۔"

مفتی صاحب ایک بات اور میں عمرے پہ گیا نہ مجھے رونا آیا نہ ہی کوئی کیفیت گزری تو کیا میرا دِل اِتنا سیاہ ہو گیا ہے۔

"ڈاکٹر صاحب، اصل عبادت ہے، کیفیت نہیں۔ اللہ تک پہنچنے کی دو راہیں ہیں۔ ولایت کی اور نبوت والی، ولایت والی راہ بڑی متاثر کن ہے۔

کمالات، معجزات، منزلیں سلوک مگر یہ خطرناک بھی بہت ہے، بڑی گھاٹیاں ہیں۔ دوسری نبوت کی ہے سیدھی سادھی۔ بندے کو بندہ بن کے رہنا چاہیے۔"

مفتی صاحب نے اپنی بات جاری رکھی
ایمان کی 4 stages ہیں۔

1۔ صحیح عقیدہ
2۔ صحیح علم
3۔ صحیح عمل
4۔ اخلاص

عبداللہ کافی دیر تک اِن باتوں پر سوچتا رہا کہ، نہ تو اُس کا عقیدہ ہی صحیح ہے، علم پاس ہے نہیں، عمل وہ کرتا نہیں اور اخلاص میں اپنی ذات کو ہی پوجتا ہے۔

وہ اٹھ کر نماز پڑھنے چلا گیا کہ کچھ دل ہلکا ہو۔

☆☆☆

لوگ کہتے ہیں کہ بس فرض ادا کرنا ہے
ایسا لگتا ہے کوئی قرض لیا ہو ربّ سے

نماز پڑھ کے عبداللہ نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔

"اے اللہ، لوگ تجھ سے اپنی نیکیوں کا واسطہ دے کر معافی مانگتے ہیں۔ میرے پاس تو نیکیاں ہیں کوئی نہیں۔ میں تجھ سے اپنے گناہوں کے صدقے معافی مانگتا ہوں۔ اے اللہ تو ہی تو وہ ذات ہے جو میرے اور میرے نفس کے درمیان حائل ہونے پر قادر ہے۔ اے میرے مالک تیری شان کی قسم میں تو آج تک کسی گناہ سے لطف تک نہ اُٹھا سکا۔ گناہ سے پہلے بھی تیرا خیال گناہ کے بیچ میں بھی تیرا ڈر اور گناہ کے بعد بھی تیرا خوف۔ اے میرے مالک تو کیا کرے گا مجھے عذاب دے کر، میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں اور صرف تجھی پر ایمان رکھتا ہوں۔ میرے ٹوٹے ہوئے بے لطف گناہوں کے صدقے مجھے معاف کر دے۔ اے میرے مالک صلاحیت اظہار کی طبگار ہوتی ہے۔ تیرے رحمت کی شان ہے تُو مجھ جیسے گناہ گار کو بخشش دے میں تمام عُمر تجھے یاد رکھوں گا، اپنی بے قیمت نیکیوں میں، اپنے ادھورے گناہوں میں اور اپنی تڑپتی دعاؤں میں۔
تیرے ڈر سے میرے مالک یہ گناہ بھی بے مزہ تھے
کچھ ہوگئے تھے پورے، کچھ رہ گئے ادھورے "

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج اعتکاف کا دوسرا روز تھا اور عبداللہ پہلے روز کی نسبت کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔ کئی ایک سوال تھے۔ جو اس کے دِل و دماغ پہ چھائے ہوئے تھے۔

- یہ گناہوں کی عادت ختم کیوں نہیں ہوتی؟
- کیا مال و دولت کمانا بُری بات ہے؟
- اخلاقیات کا حل کیا ہے؟
- کیا گارنٹی ہے اس بات کی کہ اللہ دے گا؟
- اِس تلخ معاشرے میں گزارہ کیسے ہو؟
- بندہ اللہ کی راہ میں محنت کرتا رہے وہ بے نیاز ہے اس نے پرواہ نہ کی اور ضائع کر دی تو؟

عبداللہ مسجد میں بیٹھا لوگوں کو ذکر و اذکار میں مصروف دیکھ کے۔ قرآن شریف پڑھتے دیکھ کے بڑا اداس ہو رہا تھا کہ ایک یہ ہیں کہ مزے سے عبادت کر رہے ہیں۔ جنت خرید رہے ہیں اور ایک میں کہ سوالوں کی ایک فصل کاٹوں تو دوسری پک کے تیار۔

کچھ ہی دیر میں اسے مفتی صاحب ایک کونے میں بیٹھے نظر آ گئے۔ وہ سیدھا ان کے پاس گیا اور ایک ہی سانس میں سارے سوالات کر ڈالے، مفتی صاحب نے ہمیشہ کی طرح عبداللہ کو دیکھ کے مسکرایا اور گویا ہوئے۔

" گناہوں کی خواہش کا ہونا بہت کام کی چیز ہے۔ یہ اُپلے ہوتے ہیں۔ گندگی ہوتی ہے اُسے اللہ کی خوف کی یاد میں جلاؤ اور ترقی کرو۔ گناہ سرکش گھوڑے ہوتے ہیں انھیں رام کرو اور آگے بڑھو، جب خلا میں راکٹ جاتا ہے تو اضافی چیزیں پھینک دیتا ہے بندہ جب معرفتِ الٰہی کے سفر پہ جاتا ہے تو اُسے بھی اضافی چیزیں پھینک دینی چاہئیں۔"

آدمی کو استغفار کرتے رہنا چاہئے ،استغفار بھی اللہ تک پہنچنے کا ایک راستہ ہی تو ہے۔

خریدیں نہ جسکو ہم اپنے لہو سے
مسلماں کے لیے ننگ ہے وہ بادشاہی

اور پیسہ کمانے میں کیا عیب ہے۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیسہ / دولت کیا ہی اچھی چیز ہے جب کسی ایمان والے کے ہاتھ میں ہو۔ اِس سے اِدارے بنائیں،لوگوں کو آسانیاں پہچائیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے جو خرچ کرے گا اللہ اس کا مال بڑھادے گا اور جو معاف کرے گا اللہ اسکی عزت بڑھادے گا۔

اور اخلاقیات کا سب سے آسان حل یہ ہے کہ بندہ جھوٹ نہ بولے۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابودر غفاری رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی تھی کہ زندگی بھر سچ بولو انتہائی غصے میں بھی اور شدید خوشی میں بھی۔

اور اللہ کی طلب کا ہونا بذات خود گارنٹی ہے کہ اللہ نے ملنا ہے۔نیکی کا اجر 10 گناہ ہے کم از کم۔ اب طلب بھی تو نیکی ہوئی نا۔اللہ اپنے بندوں کو ضرور رزق دیتے ہیں۔

اور اللہ اپنے نیک بندوں کی محنت ضائع نہیں کرتا۔تین میں سے ایک کام ہوتا ہے۔

یا تو زندگی میں ہی اللہ ان کے جانشین تیار کردیتے ہیں جیسے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا یا کوئی اور بندہ کہیں سے آجاتا ہے اس کے متبادل کے طور پر۔ وہ اِس عرصہ میں کہیں اور تیار ہورہا ہوتا ہے۔ یا اللہ اسکے کام کو بچا کے رکھ لیتا ہے اور جب کوئی اہل آتا ہے تو وہ وراثت ٹرانسفر ہوجاتی ہے۔جیسے حضرت ابراہیم کی نبی پاک ﷺ کو۔

کبھی نفرت نہیں ملتی درِ مولا کے بندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

اور معاشرے کو نہ دیکھیں۔ یہ دیکھیں آپ کیا کر رہے ہیں۔ مثبت سوچ سے کام کریں منفی سوچ کا سب سے بڑا نقصان یہی ہوتا ہے کہ آدمی مثبت کی طرف پیش قدمی سے رک جاتا ہے۔ شہد کی مکھی کی طرح کام کرنا چاہیے جو کڑوا پی کے لوگوں کو میٹھا شہد دیتی ہے۔

عبداللہ کو اِن جوابات سے بڑی تسکین ملی وہ سوچنے لگا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو نہ تو کوئی بڑا عہدہ رکھتے ہیں دنیاوی نظروں میں، نہ ہی مال، نہ ہی کوئی زیادہ لوگ انھیں جانتے ہیں۔ مگر دلوں کی بیماریوں کا کیسا شامی اور مکمل جواب ہوتا ہے ان کے پاس۔

عبداللہ کو اپنے آپ پہ بھی حیرت ہوئی کہ ایسا کیا کیا ہے کہ ان جیسے لوگوں کی صحبت نصیب ہوئی۔ نہ تو اس کے اعمال اس قابل ہیں نہ ہی کوئی مراقبہ، مجاہدہ یا رِیاضت۔ کوئی بھی تو میل نہیں۔ ہاں البتہ ایسے لوگوں کا ملنا اس کی پریشانیوں، سوالات اور رونے پیٹنے کا نتیجہ ضرور ہوسکتا ہے۔ آج اسے 'طلب' کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا اور معلوم ہوا کہ جب شاگرد تیار ہوتا ہے تو اُستاد خود بخود آجاتا ہے۔

دیدار کے قابل تو کہاں میری نظر ہے
یہ ان کا کرم عنایت ہے کہ رخ اُن کا اِدھر ہے

اظہارِ تشکر میں عبداللہ کے ہاتھ پھر بلند ہوئے۔

"اے میرے رب۔ دھوڈال میرے گناہ بالکل اِسی طرح جیسے میں نے دھوڈالا ہے یہ خیال کہ میں

نے کبھی تیری عبادت کی ہے۔معاف کر دے نفس کے غلام کو میرے آقا۔محبت کو رسوا کروا دینے والے رب کہ صرف تیری محبت باقی بچتی ہے اور سب فنا ہو جاتی ہیں مجھ سے محبت کر۔آ مجھے اپنا بنا لے کہ میں خود کا بھی نہ رہوں۔ مجھے لکھ دے میرے مالک مجھے رنگ دے میرے مالک۔ میں تیرا منتظر رہوں گا۔کمزور لوگوں کی محبت بہت مضبوط ہوتی ہے میرے اللہ کہ ان کو بچھڑ جانے کا، پٹ جانے کا دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔مَن جا میرے ربا۔۔۔مَن جا میرے ربا۔۔۔

آنکھ پر فرض ہے ہر وقت سوالی رہنا
اس کو جچتا ہی نہیں اشک سے خالی رہنا "

☆☆☆

اعتکاف یوں ہی گزرتا چلا گیا۔عبداللہ کے پاس روز سوالوں کی ایک لسٹ ہوتی اور مفتی صاحب روز جوابوں سے مطمن کرتے رہے۔سب لوگ عبداللہ کی بحث وتکرار سے تنگ تھے سوائے ایک مفتی صاحب کے نہ کبھی ٹوکا، نہ کبھی جھڑکا، کتنا ہی واحیات اور چبھتا ہوا سوال ہو انھوں نے ہمیشہ کی طرح خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج 27ویں شب تھی اور عبداللہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔وہ پریشان تھا کہ کہیں طاق راتوں میں بھی وہ بغیر بخشے نہ رہ جائے۔سوالات کی فصل پھر تیار کھڑی تھی۔تراویح سے فارغ ہو کر اس نے اللہ سے دعا مانگی۔۔"اے اللہ، اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے اللہ ،اے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر مثال کے پیدا کرنے والے اللہ، جن چیزوں میں لوگ بحث کرتے ہیں ان میں مجھے صحیح راہ پہ چلا۔"

سب لوگ مفتی صاحب کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے تھے۔عبداللہ سب کو پھلانگتا ہوا ان کے سامنے جا بیٹھا۔ ویسے تو ہمیشہ اُسے بیعت سے الجھن ہی رہی مگر آج نجانے کیوں اس کا دل بہت چاہ رہا تھا کہ وہ مفتی صاحب سے بیعت ہو جائے۔تقریباً 3 سال کا عرصہ ہو گیا تھا ان کے پاس آتے جاتے۔عبداللہ نے اِشارۃً کئی بار مفتی صاحب سے اپنی خواہش ظاھر کی مگر انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔یہ بےاعتنائی اور تجاہل عارِفانہ عبداللہ کو بہت گراں گذرا۔

مفتی صاحب لوگوں کو ایمان ویقین کی باتیں بتا رہے تھے مگر عبداللہ کا دل کہیں اور تھا۔

"یہ مفتی صاحب بات کیوں نہیں سمجھتے۔اے اللہ میاں، یہ مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ بیعت کریں کہ میں تیری راہ پہ چل سکوں کہ میں تجھے پا سکوں۔کہ میں تجھے ڈھونڈ سکوں، بلکہ یہ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ تو مجھے ملے"۔اور عبداللہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔جیسے اس نے بڑی مشکل سے چھپایا۔

تمھارے بعد میرے زخم نا رسائی کو
نہ ہو نصیب کوئی چارہ گر دعا کرنا

محفل برخاست ہوئی،عبداللہ ابھی اٹھ کے جانے ہی لگا تھا کہ مفتی صاحب نے اُس کا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ بولیں۔

"میں ایمان لایا"

عبداللہ کی زبان گنگ ہوگئی۔مفتی صاحب نے جملہ دہرایا۔عبداللہ پھر خاموش،تیسری بار جملہ دہرایا تو عبداللہ کی زبان سے بمشکل نکلا۔

"میں ایمان لایا" مفتی صاحب نے بات جاری رکھی،

"اللہ تعالیٰ پر،اسکے رسولوں علھیم السلام پر،اس کی کتابوں پر،تقدیر پر کہ خیر وشر دونوں اللہ کی طرف سے ہے۔قبر کا عذاب برحق ہے اور قیامت میں اللہ کے یہاں زندگی برحق ہے۔میں اُن تمام عقائد پر ایمان لاتا ہوں جو عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کا ہے۔اور اِسی عقیدے کے مطابق،میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِن کی قبرِ مبارک میں زندہ مانتا ہوں اور یزید کو فاسق جانتا ہوں۔یا اللہ مجھے اہل سنت کے عقیدے پہ قائم کر۔اِسی پہ موت دے اور قیامت میں اسی عقیدے کے

بزرگوں کے ساتھ حشر فرما۔
توبہ کی میں نے ان تمام گناہوں سے جو زندگی میں مجھ سے سرزد ہوئے، وہ گناہ جو لوگوں کے سامنے ہوئے اور جو تنہائی میں ہوئے، بڑے اور چھوٹے، اور وہ گناہ جو میں نے جان بوجھ کر کیئے اور وہ جو نادانستہ ہوئے۔

اللہ میں توبہ کرتا ہوں۔ جھوٹ سے، وَ کبر سے، تیری نافرمانی سے، غصے کی زیادتی سے، لوگوں کو دھوکا دینے سے، اپنے آپکو بڑا سمجھے سے، یا اللہ میری توبہ قبول فرما، اے اللہ میری توبہ کو قبول فرما اور اے اللہ اس توبہ کو ایسا قبول فرما جو مجھے دھو دے۔

بیعت کی میں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر، اُن کے تمام خلفاُ کے ذریعے، اور بیعت کی میں نے تمام بزرگوں کے ہاتھ پر جن کا سلسلہ اور سند مفتی صاحب تک پہنچا۔ اور بیعت کی میں نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ہاتھ پہ مفتی صاحب کے واسطے سے۔
بیعت کی میں نے اولیا اللہ کے تمام سلاسل میں یا اللہ۔ اس بیعت
کو میرے تزکیئے کا سبب بنا اور مجھے معرفت اور حقیقی مغفرت نصیب فرما!"

عبداللہ نے بڑی مشکل سے رو رو کر الفاظ دھرائے اور بیعت کے بعد سیدھا مسجد کی چھت پر چلا گیا۔ عبداللہ دیر تک سجدے میں پڑا اپنے اللہ کا شکرادا کرتا رہا جس نے اس کی وہ دعا بھی سن لی جو دل میں تو آئی مگر زبان سے ادا نہیں ہوئی تھی۔ عبداللہ نے سجدے سے اٹھتے ہی فی البدیہہ نظم کہی:۔

شکریہ اُس مالک دونوں جہاں کا شکریہ
شکریہ اے مختارِ کل، اِس سائباں کا شکریہ

خاک کی نسبت اور وہ بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ سلم سے
کیا زمین و کیا فلک، کون و مکاں کا شکریہ
تُو نے رکھ لی لاج بھی خالی بھی نہ جانے دیا
دِل سے دل کی بات کا آہ و فغاں کا شکریہ

وارادات قلب کی کیسے کوئی تعریف ہو
تُو نے جو مجھ کو دیا ہے اُس جہاں کا شکریہ

نکالا دے جو عاصی کو گناہوں کی سیاہی سے
اس رحمت میں پر درکار لا مکاں کا شکریہ

شکریہ اے بے کسوں کے والی وارث شکریہ
جو تھام لے منجھد ھار کو اس اماں کا شکریہ

ہاتھ پکڑا جس نے میرا اِس پار سے اُس پار تک
آرزؤں سے یقیں تک اس گماں کا شکریہ

عبداللہ نے ڈاکٹر رمضان کے لئے بھی خوب دعا مانگی جنھوں نے مفتی صاحب سے ملوایا تھا اور اگلے روز جا کے مفتی صاحب کا بھی شکریہ ادا کیا۔
اعتکاف کے دس دنوں میں جو ایک بات عبداللہ کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی وہ یہ تھی کہ اپنے

آپ پہ کام کرنا ہے۔مفتی صاحب نے بتایا تھا کہ بندہ 40 دن تک عبادت کرے خلوص کے ساتھ تو اللہ اسکی زبان سے حکمت کے چشمے جاری کرتا ہے۔مفتی صاحب نے ایک ذکر بھی بتایا کرنے کو کہ صبح وشام کچھ وقت پابندی سے نکال کے سانس کے ساتھ لا اِلٰہ اِلاّ اللہ پڑھا کرو، سانس باہر جائے تو لا اِلٰہ۔ اندر آئے تو اِلاّ اللہ۔

عبداللہ کی TDL پر اگلا ہدف اللہ کا ذکر تھا۔ اللہ کے ذکر کو محور زندگی بنانا تھا اور باقی تمام چیزیں اس کے گرد پیٹنی تھیں۔

عبداللہ نے اپنا تمام تر فوکس اپنی نئی کمپنی کی جانب مرکوز کر دیا۔ بزنس پلان، مارکیٹنگ ٹیم کی استعداد اور جو کام ملے وہ پوری دیانتداری اور لگن سے کرنا۔ جوں جوں کام بڑھتا گیا۔عبداللہ کو ملک کے نئے نئے رنگ نظر آتے چلے گئے۔ ہر روز کوئی مسئلہ، ہر روز کوئی جھوٹ، کینہ پروری، حسد اور نجانے کیا کیا۔عبداللہ نہ چاہتے ہوئے بھی پاکستان سے خائف رہنے لگا، وہ راتوں کو اٹھ کر رو رو کے ملک کے لئے دعائیں کرتا اور دن بھر وہی لوگ اسے ذہنی اذیت دیتے جن کے لیے اس نے رات دعا کی تھی۔ ہمارے ملک میں لوگ پنج وقتہ حاسد ہوتے ہیں۔جنہیں اپنے مرنے سے زیادہ لوگوں کے جینے کا غم ہوتا ہے، شراب اور سگریٹ پینے کی طرح ظلم کرنا بھی ایک عادت ہے۔ دھیرے دھیرے اگر ایک بار یہ پختہ ہو جائے تو پھر چھٹتی نہیں۔ یہاں تک کہ بندہ ظلم کرتے کرتے مر جاتا ہے عادی ظالموں کے اِس ملک میں ہر شخص ایک بار صرف ایک بار یہ سوچ لے کہ ایک دن مرنا ہے۔اور اس دن ساری عادتوں کا جواب دینا پڑے گا تو شاید کبھی اپنے گریبان میں جھانکیں اور پوچھیں کہ کیا کر رہے ہیں۔

کبھی اپنے دل کے اندر جو دیکھتے تو رکتے
تیرے کاخِ بے مکیں کا یہ طواف کرنے والے (سیّد مبارک شاہ)

ہم اپنے بچوں کو فخر کی غذا دیتے ہیں، رعونت سکھاتے ہیں، محنت نہیں، ادب نہیں، قدرت خیرات

نہیں دیتی، مگر محنت کرنے والوں کا ساتھ ضرور دیتی ہے۔ ویسے تو اللہ کی مرضی ہے جب چاہے جسے چاہے دے دے۔ اس کا کسی سے لگا تھوڑا ہی ہے مگر کلیہ یہی بنتا ہے۔

ہمارے ملک میں لوگ ترقی سے اور ترقی کرنے والے سے حسد رکھتے ہیں۔ دشمنی پال لیتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح بس اسے زوال آ جائے۔ حالانکہ اس کا سیدھا حل ہے، حسد انفارمیشن پہ پلتا ہے۔ اسے اگر انفارمیشن نہ ملے تو یہ بھوکا مر جائے۔ اگر آپکو حسد کنٹرول کرنا ہے تو کچھ دنوں کے لیئے سوائے اپنے سب لوگوں کی فکر اور ٹوہ میں رہنا چھوڑ دیں۔ حسد بے چارہ بھوک سے مر جائے گا۔

حسد ہوتا بھی اپنی ہی فیلڈ کے لوگوں سے ہے۔ اب بھلا کمپیوٹر سائنٹسٹ کو رنگریز سے حسد کیوں ہونے لگا۔ انسان کو چاہیئے کہ جن لوگوں سے حسد کرتا ہے ان کے لیے نماز میں دعا مانگا کرے کہ اللہ انہیں اور دے اس سے بھی حسد جاتا رہتا ہے۔

☆☆☆

آج عبداللہ بہت پر جوش تھا وہ صوبائی حکومت کے ایک اعلی عہدیدار سے ملنے لاہور جا رہا تھا اپنے سافٹ ویئر کی پریزینٹیشن کے لیئے ۔ میٹنگ کے بعد وہ اعلی عہدیدار مخاطب ہوئے ۔عبداللہ آپ کا کام بہت شاندار ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ آپ ملک وقوم کے کام آئیں ۔ جی میں بھی یہی چاہتا ہوں ۔آپ بتایئے کب سے کام شروع کریں ۔عبداللہ نے کہا۔

مگر میں ایک بات بتانا چاہتا ہوں ۔عہدیدار صاحب گویا ہوئے ۔ وہ یہ کہ کام فی سبیل اللہ کرنا ہو گا ۔ پیسے کوئی نہیں ملیں گے ۔حب الوطنی کا جذبہ یہی تقاضہ کرتا ہے ۔

عبداللہ نے بات سنی اور ہنستے ہوئے کہنے لگا کہ جناب میں اپنا ہوم ورک کر کے آتا ہوں ،الل ٹپ کوئی بات نہیں کرتا ۔آپکے پاس 40 کروڑ کا بجٹ ہے اس ادارے کے لیے، 22 بندے آپکے پرسنل سٹاف میں ہیں ،ایک گھر اور 2 گاڑیاں اور اچھی خاصی تنخواہ ۔اسی سافٹ ویئر کے لیئے آپ کینڈین کمپنی کو 3 ملین ڈالر سالانہ دینے کو تیار ہیں مگر جب بات آئی اپنے لوگوں کی ،ملکی استعداد کی تو ،آپ بن گئے عبدالستار ایدھی ۔اور اگر آپ ایدھی ہوتے تو میں مفت میں کام کر لیتا ۔ جناب والا حبّ الوطنی اور غلامی میں فرق ہے ۔ میں غلام نہیں آزاد آدمی ہوں ۔

عہدیدار صاحب سے آج تک کسی نے اس لہجے میں بات نہ کی تھی وہ سیخ پا ہو گئے ۔ کہنے لگے اگر آپ نے لالچ کا مظاہرہ کرنا ہے اور پیسے ہی کمانے ہیں تو دفع ہو جایئے اس ملک سے یہ اللہ کے نام پہ بنا ہے اور اللہ ہی اس کا نگہبان ہے ۔

یہ میرا ملک ہے، (عبداللہ گرجا) حب الوطنی میرے خون میں ہے، میں کیوں کسی کو ثابت کروں کہ میں کتنا حب الوطن ہوں۔ میں ادھر ہی ہوں۔ کیونکہ آپ بوڑھے ہیں۔ کچھ سالوں میں ریٹائر ہو جائیں گے پھر کچھ سالوں میں مر جائیں گے۔ میں انتظار کروں گا اس دن کا تا کہ ملک اس ڈگر پہ چل سکے جہاں چلنا چاہیئے اور تب تک میں وہ نسل تیار کروں گا جو آپکی انا کو چیلنج کرتی رہے۔

اتنا کرو کہ سیپ فراہم کرو ہمیں
قطرے بنیں گے کیسے گہر ہم پہ چھوڑ دو

عبداللہ کی بات پوری ہوئی اور مغلظات کا اک طوفان جناب والا کی زبان سے جاری ہوا اور عبداللہ کو دھکے دے کر نکال دیا گیا۔
عبداللہ گاڑی میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔ بلّو نے بڑا دلاسا دیا اور کہا کوئی بات نہیں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا، تمھیں زیادہ نہیں بولنا چاہیئے تھا۔

مگر بلّو انہیں تو گالی دینے تک کا ذوق نہیں تھا۔ کمینہ اس شخص کو کہتے ہیں جس سے کسی کو فائدہ نہ پہنچ سکے۔ خبیث اسے کہتے ہیں جس میں شیطانی صفات ہوں۔ گالی کسی کو اشتہا دلانے کے لیے دی جاتی ہے میں تو محظوظ ہوتا رہا۔ مرزا غالب کہتے ہیں بچے کو ماں کی گالی جوان کو بیوی کی اور بوڑھے کو بیٹی کی گالی دینی چاہیئے ۔

اتنی اردو تو آتی نہیں جناب والا کو پتہ نہیں اتنے بڑے افسر کیونکر بنے۔ نہ کوئی سمجھ، نہ ذوق، نہ اٹکل، نہ طنز، نہ استعارہ بس لشتم پشتم آفیسری ہوگئی۔ بالکل ہی اکل کھرے تھے وہ۔

بلّو ہمیشہ کی طرح ہنس کے خاموش ہوگئی۔

اُپر اتلی ایسے بہت سے واقعات ہوتے چلے گئے۔کبھی کسی نے کام کروا کے پیسے نہ دیئے تو کبھی بلاوجہ contract کینسل کر دیا،کبھی contract کو اپنے کسی رشتہ دار کو جاب دینے سے مشروط کر دیا تو کبھی بیٹی یا بیوی کے لئے لیپ ٹاپ کی فرمائش کر دی۔اور سب سے زیادہ دکھ جب کوئی سیکیورٹی رسک قرار دے کہ عبداللہ امریکہ سے پڑھا ہے۔

عبداللہ ایک دن بلّو سے کہنے لگا کہ باضمیر شخص کو مارنے کے لیئے گولی کی ضرورت تھوڑا ہی ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں وہ روز مرتا ہے اور باضمیر وہ ہوتا ہے جسکی آنکھ دل بن جائے اور دل آنکھ۔نہ ہی وقت کوئی زخم بھرتا ہے، نہ ہی کوئی اذیت بھلائی جاتی ہے ہاں اگر کسی کی یاداشت کمزور پڑ جائے تو اور بات ہے۔ بلّو تو دیکھنا یہ سب لوگ ایک دن آئیں گے میرا سافٹ وئیر خریدنے۔ اللہ مظلومیت کے نشانات کو باقی رکھتا ہے۔آج تک ظہر وعصر میں قرآن کی تلاوت آہستہ آواز میں ہوتی ہے۔آج تک صفاومروہ کے بیچ میں لوگ بھاگتے ہیں۔ان لوگوں کو میرا صبر پڑ جائے گا۔

داغ دل کی بہار ہیں آنسو
غم کے پروردگار ہیں آنسو

☆☆☆

tsurdu.blogspot.com

ملکی حالات و معاملات سے دلبرداشتہ ہوکر عبداللہ نے انٹرنیشنل consulting شروع کر دی۔ آئیڈیا یہ تھا کہ سال میں تین ماہ باہر کام کرے گا اوسطاً اور باقی نو ماہ ملک میں جو چاہے کرے۔ باہر پیسا اچھا ملتا ہے تو تین ماہ میں پورے سال کا بندوبست ہو جائے گا۔ آج عبداللہ اپنے پہلے بڑے contract پہ کام کرنے لتھونیا روانہ ہوا۔ vilnius بڑا خوبصورت شہر ہے۔ عبداللہ نے گیسٹ ہاؤس میں سامان رکھا اور باہر گروسری اسٹور سے کھانے کا سامان خریدنے چلا گیا۔ کچھ فروٹ، موبائل کی سم، پانی وغیرہ لے کے جب cash counter پہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کی کریڈٹ کارڈ کی مشین خراب ہے۔ عبداللہ نے یورو نکال کے دیئے تو معلوم ہوا کہ لیتھونیا یورپین یونین میں تو ہے مگر یورو یہاں نہیں چلتے۔ اب عبداللہ بڑا پریشان ایک آدھا فروٹ وہ کھا چکا تھا۔ سم موبائل میں ڈال چکا تھا اور پانی کی بوتل بھی کھول چکا تھا۔ اسے پریشان دیکھ کے ایک اور لتھونین شخص آیا۔ اسے انگریزی بالکل نہیں آتی تھی۔ اس نے پیسے ادا کیئے اور عبداللہ کو ہاتھ پکڑ کے باہر لے گیا۔ اشاروں سے پوچھا کچھ اور چاہیے عبداللہ نے کاغذ پہ STARBUCKS لکھ دیا اور وہ کافی ہاؤس پہنچ گئے پھر اس نے اسے گیسٹ ہاؤس چھوڑ دیا۔ پیسے کوئی نہیں لیئے۔ عبداللہ نے گیسٹ ہاؤس کی مالکہ سے کہا کہ اسے فون کر کے پوچھے کہ کیا ہوا ہے لتھونین زبان میں۔

مالکن نے پوچھا تو اس شخص نے جواب دیا۔
آج زندگی میں پہلی بار کسی داڑھی والے اور مسلمان سے ملا۔ پاکستانی بھی پہلی بار ملا۔ میں نے سوچا ملک میں پہلی بار آیا ہے کیا تاثر لے کے جائے گا تو کچھ مہمان نوازی کر دی۔ گھر جا کے بچوں کو بتایا وہ کل اسکول میں بتائیں گے، میں کل آفس میں یہ قصہ سناؤں گا، بیوی محلے والوں کو بتائیگی

تو سوسائٹی میں خیر پھیلے گی۔ اور یہ جب اپنے ملک واپس جائے گا تو ہمارے ملک کی تعریف کرے گا۔ یہاں اور سیاح آئیں گے۔

آج عبداللہ کو معلوم ہوا کہ انسان کسے کہتے ہیں۔ وہ عرصے سے انسان ڈھونڈ رہا تھا۔ اسے ہمیشہ شکوہ رہتا ہے کہ انسان نے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا سیکھ لیا۔ مچھلی کی طرح دریا میں تیرنا سیکھ لیا، مگر اسے انسانوں کی طرح زمین پہ چلنا نہیں آیا۔

ایک ایسا انسان جس سے کسی کو دکھ نہ پہنچے، جو نفع بخش ہو، نفع خور نہیں۔ جو درخت کی طرح کم لے اور زیادہ دے، اسے بھی چھاؤں دے جو اسے کاٹنے آئے۔ وہ ہیرا ہو جو سب کو چمک دے اسے بھی جو اسے پتھر کہیں۔

وہ انسان جسے انسانیت کا غم ہو، جو اوروں کے لیئے روئے، جو مرکب ہو ہمت اور محبت کا۔ جسکو مکمل قابو ہو نفس، غصے اور عقل پر۔ جسکو زندگی نہ بھگائے بلکہ زندگی کی کمانیں جسکے ہاتھ میں ہوں۔

عبداللہ کو یہاں کا معاشرہ بہت پسند آیا۔ ہر گھر میں گھوڑا رکھنے کا رواج اور ہر شخص نشانہ بازی سیکھنے کا شوقین۔

عبداللہ شہر کی کتابوں کی دکان پر گیا۔ اور قرآن طلب کیا، کیا ہی خوبصورت قرآن پاک تھا۔ لتھو نین ترجمے کے ساتھ 50 پاؤنڈز کا۔ عبداللہ نے پوچھا اتنا مہنگا کیوں تو دکاندار نے بتایا کہ جب مارکیٹ میں آیا تو 2 پاؤنڈ کا تھا، طلب بڑھ گئی تو پبلشر نے 50 کا کر دیا ہے۔ اب کوئی نہیں لیتا۔

عبداللہ کو اپنا وجود زمین میں گڑھتا ہوا محسوس ہوا۔ اگلے دن عبداللہ شہر کے مشہور میوزیم میں گیا تو شو کیس میں ٹوپی، قرآن، جائے نماز اور تسبیح اور وضو کا لوٹا دیکھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جب

vilnius پر کچھ سو سال پہلے حملہ ہوا تو انہوں نے عرب فوجوں کو یہاں بلایا تھا دفاع کے لئے یہ انکی باقیات ہیں۔ عبداللہ کو جستجو ہوئی کہ وہ لوگ آئیں ہونگے تو رہے ہونگے، شادیاں کی ہونگی، آخر ڈھونڈتے ڈھانڈتے وہ ایک قریبی شہر پہنچ گیا جو ان عرب مجاھدوں کی ذریات میں سے تھا، وہاں لوگوں کو اسلام تک کا پتہ نہیں تھا۔ ایک بوڑھی عورت کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کے عبداللہ نے پوچھا یہ کیا ہے تو کہنے لگی کہ جب دعا مانگنی ہوتی ہے تو اس پر اللہ lillah پڑھتی ہوں۔ یہ لفظ کیا ہے وہ اسے معلوم نہ تھا۔

عبداللہ کو اپنے آپ پر بڑا غصہ آیا کہ ایک خدائی ہے جو دین سننے کے لئے بے تاب ہے مگر ہم انھیں کافر کہتے نہیں تھکتے۔ اپنے بچوں کو ڈاکٹر انجنیر بنا دینگے مگر عالم نہیں جو یہاں آ کر ان کی زبان میں انکو اللہ کا پیغام پہنچا سکے۔

مسلمان گیس اسٹیشن کھول لے گا، ریسٹورنٹ چلائے گا، گاڑیاں دھو لے گا، ویٹر بن جائے گا مگر اپنے بچوں کو اچھا عالم نہیں بنائے گا۔

مدرسوں میں زکوۃ کا پیسہ دیتے ہیں اور اب تو زکوۃ بھی حلال مال کی نہیں رہی۔ زکوۃ میل ہوتی ہے وہ بھی حرام کا۔ سینکڑوں بچے کسمپرسی میں پل بڑھ کے۔ جُھوٹا کھا کے بھی اگر قرآن حفظ کر جائیں تو سلام ہے ان کی عظمت کو۔

اور ہم پڑھے لکھے، پیسے والے سوائے بغض و عناد کے مولوی سے کچھ نہیں رکھتے۔ کیوں نہ ایک اسکول / مدرسہ بنایا جائے جہاں پوری کھیپ تیار ہو ایسے بچوں کی جن کا کام ہی دنیا کے ملکوں میں جا کے وہاں دین کا کام پھیلانا ہو۔ ان کی اپنی زبان میں۔

مغرب کے پاس سب کچھ ہے سوائے ایمان کے۔ اگر مشرق یہ نعمت ان تک پہنچا دے تو کیا کہنے۔

مغرب ایک ایسا بچہ ہے جو بنا ماں باپ کے ہی بڑا ہو گیا ہے۔ اسلام وہ تمیز وہ مزاج، وہ رنگ ہے جو اسے بہترین بنا دے۔ سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں آج بھی اتنی جان باقی ہے کہ وہ ایک نئی امت تشکیل دے سکے۔

عبداللہ کی سوچ کا دھارا کہیں اور ہی چل نکلا۔

☆☆☆

tsurdu.blogspot.com

عبداللہ نے لتھو نیا میں اپنا کام بہترین طور پر مکمل کیا کہ وہ لوگ بھی ایک پاکستانی کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے اور پھر عبداللہ لتھو نیا سے Estonia, Latvia, Poland اور Finland کی سیاحت پہ نکل گیا۔

Latvia اور Estonia کی سرحد پر اس کا قیام ایک مدرسے نما ہوٹل میں ہوا جسکے نچلے دو فلور ہوٹل تھے اور اوپر کے دو یہودیوں کے اسکول کے۔ ہوٹل سے ہونیوالی کمائی سے اسکول چلتا تھا۔ عبداللہ کو یہ آئیڈیا بڑا پسند آیا۔

عبداللہ نے اس سفر میں بہت کچھ سیکھا، خوب پیسہ کمایا اور خوب سیاست کی واپسی میں تُرکی بھی رکا اور دو ہفتوں میں تُرکی ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھوم لیا۔

عبداللہ سوچ رہا تھا کہ اگر زیادہ نہیں صرف 10 مسلمان مِل جائیں تو وہ لیتھو نیا جیسے ملک کو، 10 سال میں مسلمان کر سکتے ہیں اور یورپ میں دین کی داغ بیل ڈال سکتے ہیں۔ عبداللہ نے آس پاس نظر دوڑائی مگر مسلمان ہیں کہاں؟

جنھیں خود ذکر الٰہی پہ یقین نہ ہو، کلمہ حق پہ اعتبار نہ ہو، اللہ کے رب ہونے پر یقین نہ ہو، نمازوں کی اہمیت بھول گئی ہو، دعا کی طاقت سے نا آشنا ہوں۔ درد کی لذت سے ناواقف ہوں۔ رت جگوں کی عادت نہ رہی ہو۔ وہ کس کو اور کیسے ایمان کی دعوت دیں گے۔

آج عبداللہ کو شدت سے اہل دل کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہمارا المیہ یہ نہیں کہ ہم آلات و مصنوعات کے موجد نہ بنا سکے، المیہ تو یہ ہے کہ ہم نیک اِرادوں کے، خالص نیت کے، اعلیٰ مقاصد کے اور اخلاص کے مؤجد بھی نہ بنا سکے۔

آج عبداللہ پھر اپنی حالت پہ رو رہا تھا کہ زندگی عبث کاموں میں ضائع کر دی۔ کاش اتنا وقت اپنے آپ پر لگایا ہوتا تو ملکوں پہ بھاری ہوتا۔ جتنی ترقی اِنسان کے اِردگرد موجود ماحول نے کی ہے اتنی ہی اگر اِنسان خود کر جاتا تو کیا بات تھی اور عبداللہ خود بھی تو آلات بنانے کا ایک پُرزہ ہی تو تھا۔ عبداللہ جہاز سے واپسی پر امتیاز ساغر کی یہ نظم گنگنا رہا تھا۔

میری ہمرکاب ہیں وحشتیں، مری وحشتوں کو قرار دے
مجھے مہرو ماہ سے کیا غرض مجھے بھیک میں مرایار دے

کئی دن سے دل یہ دکھا نہیں کوئی شعر میں نے کہا نہیں
مرے حال پہ بھی نگاہ کر کسی کیفیت سے گزار دے

میں ہزار بجھتا دِیا رہوں، سرِ دشت میں بھی جلا رہوں
میری شاخِ غم کو نہال کر نئی کونپلوں کو بہار دے

کئی دن سے کو چہء ذات میں کسی دشتِ غم کا پڑاؤ ہے
کوئی شام مجھ میں قیام کر میرے رنگ وروپ کو نکھار دے

میں شکستِ ذات کی حد میں ہوں، کسی سرد رات کی زد میں ہوں
مجھے امتحاں سے گزار دے، کوئی مہر مجھ میں اُتار دے

تیری راہ گزر میں ہوں خیمہ زن ہے بدن پہ ہجر کا پیرہن
جو گزر گئی سو گذرگئی میری باقی عُمر سنوار دے

جہاں عرش و فرش ہیں با ادب، اسی در پہ جاکے سُوال کر
وہی نور بخشے ہے خاک کو وہی آئینے کو غُبار دے

عبداللہ کی گنگناہٹ کو ساتھ بیٹھے مسافر نے توڑا وہ ایمسٹرڈم سے پاکستان جا رہے تھے اور پاکستانی ہی تھے۔ کہنے لگے۔ مسٹر آپ نے داڑھی رکھی ہے۔ آپ پیدائشی مسلمان ہیں۔ اصل مزہ تو جب ہے جب آپ کھلے دل سے غیر مسلم ہو جائیں۔ ادیان اسلام کا مطالعہ کریں پھر سوچ سمجھ کے عقل کے مطابق کوئی دین کا انتخاب کریں۔ یہ جو اسلام آپ نے لیا ہوا ہے یہ تو تلواروں کے زور پہ آیا تھا۔ عبداللہ نے عقل کی شوخیاں پہلے ہی دیکھ رکھی تھیں مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ کہاں ہے وہ تلوار، وہ لا دیں مجھے، میں اس کا منہ چوم لوں۔ اسی کے زور سے یہ بندہ مسلمان تو ہوا جہنم کی آگ سے تو بچا۔ ان صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو خاموش ہو رہے۔

☆☆☆

آج جمعے کا دن تھا۔عبداللہ کو بچوں کے اسکول جانا تھا کسی کام سے اس نے سوچا نماز وہیں قریب کی مسجد میں پڑھ لوں گا۔اب شامت یہ آئی کہ عبداللہ نے youtube کی t-shirt پہن رکھی تھی جو وہ اپنے سابقہ دورہ امریکہ میں بڑے شوق سے خرید کر لایا تھا اور آج مولوی صاحب کا بیان youtube کے ہی خلاف تھا۔مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیئے جو وڈیو وہاں اپ لوڈ کی گئی تھی پورے عالم اسلام میں ایک آگ برپا تھی۔

مولوی صاحب نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تو کہا کہ یہ پڑھے لکھے لوگ دلیلیں مانگتے ہیں بحث کرتے ہیں۔جس نے قرآن میں بحث کی یا دلیل مانگی وہ کافر۔سب لوگ ہاتھ اٹھائیں اور کہیں کہ وہ کافر۔عبداللہ نے ہاتھ اٹھانا تھا نہ اٹھایا۔چپ چاپ نماز پڑھی اور فرض کے بعد نکل آیا۔

اسے بار بار سورۃ فرقان کی 73 ویں آیت یاد آ رہی تھی۔

" اور وہ کہ جب انکو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)۔"

عبداللہ سوچنے لگا کہ کچھ لوگوں کو دین کا ہیضہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ پورے معاشرے کے لیے وبال بن جاتے ہیں اور کچھ لوگوں کو ولی اللہ ہونے کی غلط فہمی ہو جاتی ہے اور وہ اسی غلط فہمی میں دو چار لوگوں کو مرید بنا لیتے ہیں اور پھر ان تمام لوگوں میں ایک میں بچ جاتا ہوں، سیاہ کار اور سوچ

کا کافر۔

دیدہ سنگ میں بینائی کہاں سے آئے
ظرف مردہ ہو تو سچائی کہاں سے آئے

سلمان رُشدی کو satanic verses لکھے ہوئے 26 سال ہو گئے مگر 44 اسلامک ملکوں سے کوئی اس کا جواب اسکی زبان میں نہ لکھ سکا۔ ڈنمارک کے خلاف مظاہرے ہوئے تو بینرز پہ ڈنمارک کی اسپیلینگ تک غلط لکھی تھی۔ اسرائیل کولعن طعن میں سب سے آگے مگر اس کے میزائل ڈیفینس سسٹم Iron dome کی الف ب بھی نہیں پتہ۔

دنیا اسباب کی دنیا ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ تیراکی نہ سیکھیں اور سمندر میں کود پڑیں۔ ہم اسلام کو ہر اس جگہ استعمال کرتے ہیں جہاں کام نہ کرنا پڑے۔

اللہ کے نام پر تقریریں کرنا سب چاہتے ہیں۔ ہجوم کے دلوں کو گرمانے کا منکہ سب کے پاس ہے، لوگوں کو جنت و جہنم کے حقدار ثابت کرتے رہیں گے، اور صبح و شام فتوی بھی لگاتے رہیں گے۔ مگر اتنی شرم نہیں آتی کہ جس اللہ سبحانہ وتعالی کا نام بیچ میں لاتے ہیں اسی کی کوئی لاج رکھ لیں۔ بے شک اللہ کا نام بڑا ہے، ہر عیب سے پاک ہے، برکت والا ہے۔

مگر اللہ کے نام پہ کوئی کمپیوٹر سائنس نہیں پڑھتا انگریزی ہی پڑھ لو، فرنچ سیکھ لو، کتابیں ہی پڑھ ڈالو۔ ارے بھئی دعا مانگنا ہی سیکھ لو اگر دعا مانگنا ہی آ جائے تو آپ کسی دور جنگل میں بیٹھ جائیں ایک پگڈنڈی خود بخود چلتی ہوئی آپکے گھر تک پہنچ جائے گی اور ایک مخلوق کا تانتا بندھ جائے گا مگر من حیث القوم جب سب گذارہ کرنے لگ جائیں تو صلاحیتوں کو سستی کی دیمک تو چاٹ ہی لے گی نا۔ ہوا کرتے تھے ایسے لوگ جو گزارہ نہیں کرتے تھے وہ حوالہ بن جاتے تھے۔ آج کل مسلمان

تو حاشیوں میں بھی نہیں ملتے۔

عبداللہ نے دکھی دل کے ساتھ آج پھر ہاتھ اٹھائے۔

"اے اللہ میری مثال ایسے اندھے کی سی ہے جو بیچ چوک پہ کھڑا ہو جائے کہیں جانے کے لیے اب جو کوئی بھی اس کی منزل کی طرف آواز لگائے یہ اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ آگے جا کہ پتہ لگتا ہے کہ یہ تو کھوٹی راہ ہے پھر واپس آتا ہے، پھر چوراہے پہ کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر کسی اور کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ اے میرے اللہ تو مجھے کن لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ ساری بے راہ رویاں، یہ ساری دربدری تیرے ہی ٹھکانے کے لیئے ہے۔ تیری ہی جستجو ہے۔ میں جب راہ سے ہٹا تیرے لیئے۔ جب راہ پہ آیا تیرے لیئے۔ تو تو جانتا ہے۔ مجھے معاف کر دے، مجھے اپنا لے، مجھے واپس نہ کر، میرے سارے راستے اپنی ہی جانب موڑ دے۔ تو تو بے نیاز ہے اس سے کہ منزل میں مقید ہو۔ اے میرے حاظر و ناظر اللہ مجھے مل جا۔

میں ساتھ کسی کے بھی سہی پاس ہوں تیرے
یہ دربدری ایک ٹھکانے کے لیئے ہے

☆☆☆☆☆☆☆

- آج عبداللہ پھر مفتی صاحب کے پاس بیٹھا تھا،
- مفتی صاحب، قیامت کا ISO standard کیا ہے؟

ایمان۔ جو شخص ایمان سلامت لے کے آ گیا اس کا بیڑہ پار ہے۔

- اور زندگی کی TDL کیا ہونی چاہیئے
ہر کام سنت کے مطابق ہو زندگی خود بخود ٹھیک ہوتی چلی جاتی ہے۔
- نفس کو قابو میں کیسے کریں۔

ضرورت ہی کیا ہے۔ جب نفس برائی کا کہے تو نہ کرو۔ نیکی سے روکے تو کر لو۔ اتنی سی بات ہے۔ نفس کی کُشتی زندگی بھر چلتی ہے اس کا بس چلے تو آدمی کو فرعون بنا کے چھوڑے۔ کبھی کبھی نفس ضد پہ آ جاتا ہے برائی کی، پھر عمر بھر مجاھدہ کرنا پڑتا ہے۔

- اللہ کے پاس پہنچنے کا شارٹ کٹ کیا ہے؟
پہلا پاؤں نفس کی گردن پہ دوسرا اللہ کے صحن میں

یہ جو لوگ جادو ٹونے کی کاٹ کے لیئے الٹے سیدھے عاملوں کے پاس جاتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟
جو اللہ پاک کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں بتائیں وہ مانگیں اور پھر بھی اگر افاقہ نہ ہو تو بھلے مر جائے یہ اچھا ہے مگر عامل کے پاس نہ جائے۔

ہمت کیا ہے؟

ہمت کنویں کا پانی ہے جو اندر سے نکلتا ہے باہر سے فائر بریگیڈ نہیں ڈالتی۔
انسان دو ہی چیزوں کا تو نام ہے ہمت اور محبت۔ اللہ کی توفیق منتظر رہتی ہے اس بات کی کہ بندہ ہمت کرے۔ آدمی ہمت کرتا ہے تو اللہ توفیق دے دیتا ہے اور مدد بھی کرتا ہے۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ اللہ پسند کرتا ہے بڑے کاموں کو اور خدا کو بری لگتی ہے سستی ان بڑے کاموں میں۔

اور ہمت اور شوق کے پُر برابر ہونے چاہئیں ورنہ اڑا نہیں جا سکتا۔

توفیق بہ اندازہ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں وہ قطرہ ہے کہ گوہر نہ ہوا تھا

(غالب)

☆☆☆☆☆☆☆

عبداللہ کی مصروفیات روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ کمپنی کا کام، انٹرنیشنل consulting اسائنمنٹس اور کتابوں کا مطالعہ جو اس کا ہمیشہ سے شوق رہا ہے۔ کمپنی میں ملازموں کی تعداد بڑھ کے 21 ہو چکی تھی اور عبداللہ کوششیں کر کے انہیں بہترین پروگرامر بنانے میں لگا ہوا تھا۔ تمام لوگوں کو وہ امین بھائی اور احمد بھائی کی ٹریننگز میں بھی بھیج چکا تھا۔ اسے ذاتی طور پر جو فائدہ یا نقصان ہوا وہ اپنی جگہ اسے ان دونوں کے اخلاص پہ کوئی شک نہیں تھا اور ویسے بھی جو articulation وہ سکھاتے ہیں۔ وہ آگے چل کے بڑے کام آتی ہے۔ مثلاً عبداللہ کو اپنے اندر موجود "میں" کا پتہ اسی وژن کی Articulation کے بعد لگا۔ کچھ بنیادی باتوں میں اختلاف کے علاوہ جو کچھ بھی وہ پڑھا رہے تھے۔ بنفیسہ تو اس میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ عبداللہ کی سوچ اپنے آپ سے شروع ہوتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے خود وہ اس قابل ہو جائے کہ لوگوں کو نصیحت کر سکے اور وہ اپنے آپکو اس مقام سے ہزاروں میل دور پاتا تھا۔

ہمارے ملک میں اختلاف اور ادب جمع نہیں ہوتے۔ جب کسی سے محبت ہوتی ہے یا کسی کے معتقد ہوتے ہیں تو اسے نبوت سے بس ایک آدھ انچ ہی نیچے لے جا کے چھوڑتے ہیں اور کسی سے اختلاف ہو جائے تو کافر بنا کے بھی چین نہیں آتا۔

ان تمام مصروفیات کے باوجود عبداللہ نے اپنے ذکر پہ توجہ رکھی ہوئی تھی۔ کلمے کا جو ذکر مفتی صاحب نے تجویز کیا تھا وہ، تھوڑی بہت قرآن شریف کی تلاوت، مُلّا علی قاری کی حزب الاعظم اور بہت ساری دعائیں اس کا روز کا معمول تھا۔ خصوصاً تہجد کے وقت، فجر کے بعد اور عصر کے بعد کے اوقات وہ فون تک نہ اٹھاتا تھا۔ وہ سجدے میں دیر تک پڑا دعائیں مانگتا رہتا۔ عبداللہ کو مسنون دعائیں بہت پسند تھیں۔ وہ کہتا تھا کہ ان دعاؤں نے قبولیت کے راستے دیکھے ہوتے ہیں۔ بندے کے دو ہی تو کام ہوتے ہیں۔ علم حاصل کرنا اور اللہ کی یاد

عمر گذری ہے تیری یاد کا نشہ کرتے
اب تیرا ذکر نہ چھیڑیں تو بدن ٹوٹتا ہے

آج رات عبداللہ نے پھر دعا مانگی۔

"اے اللہ تو مکمل ہے، تیری ذات، تیری صفات، تیری قدرت، تیرا رحم، تیرا کرم، تیری عطا، تیرا فضل، تیری قدرت، تیری جنت، تیری محبت، تیری بادشاہت، تیرا عروج، تو مکمل ہے۔ میرے اللہ ایک چیز جو نامکمل رہ گئی ہے وہ ہے تیرا اور میرا تعلق۔ تیری طرف سے کرم کی عنایات۔ مجھ سے شکر ہی ادا نہیں ہو پاتا، تیرا فضل میرے گناہ، تیرا رحم میری سرکشی، تیری محبت میری لاپرواہی، یہ تعلق ون سائیڈڈ لگتا ہے۔ میرے اللہ اسے بھی مکمل کر دے کہ میں بندگی کا حق ادا کر سکوں۔ میری تجھ سے جو بھی ٹوٹی پھوٹی محبت کا جھوٹا سچا دعویٰ ہے۔ اسے مکمل کر دے میرے ربّا۔ او ربّ، او سننے والے، او کمزوروں پہ اپنا خاص فضل کرنے والے، مجھے تکمیل دے، مجھے ادھورا نہ چھوڑیو، مجھے کامل کر دے!

آمین!

☆☆☆

عبداللہ نے پارٹ ٹائم ایک یونیورسٹی میں جاب کرلی تھی اور ہفتے دو ہفتے میں کچھ لیکچرز دے آتا تھا، اسطرح اسے طالب علموں سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تھا اور جو کچھ وہ سیکھ رہا تھا اسے شیئر کرکے اسے بھی دلی خوشی محسوس ہوتی ہے۔آج لیکچر سے واپسی پر مین روڈ پر اسے 3 مولوی حضرات نظر آئے جنہوں نے اپنا سامان اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔انھوں نے گاڑی کو لفٹ کا اشارہ دیا اور عبداللہ نے گاڑی روک لی۔تینوں حضرات سلام وشکریہ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تعارف کے بعد عبداللہ نے منزل پوچھی تو وہ بھی اسی جگہ کے پاس جا رہے تھے جہاں عبداللہ کو جانا تھا۔سفر لمبا تھا، بات شروع ہوئی۔مسافر صاحب گویا ہوئے،ہم سب لوگ اللہ کی راہ میں نکلے ہیں تبلیغ کے لیے،زادِراہ پنڈی پہنچ کے ختم ہوگیا تو اب مری کے لیئے پیدل نکلے ہیں،آپکی بڑی گاڑی دیکھی تو لفٹ مانگ لی۔

جی، مجھے بڑی خوشی ہے کہ میں نیک لوگوں کے کچھ کام آسکا۔عبداللہ نے کہا۔مسافر صاحب نے بات جاری رکھی، جناب!"اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین پکا ہونا چاہئیے۔"

عبداللہ اس جملے سے بہت دیر تک محظوظ ہوتا رہا۔وہ صاحب آگے بھی بہت کچھ بولتے رہے مگر عبداللہ تو ابھی اسی جملے میں گم تھا۔کیا بات کی ہے، یہ جملہ تو توحید کی جان ہے۔عبداللہ نے دل میں سوچا۔عبداللہ سوچنے لگا کہ روٹی کی طرح علم بھی رزق ہے جو پہنچ کے رہتا ہے۔اللہ خوب جانتا ہے کہ کس طرح رزق دینا ہے، بالکل اِسی طرح جیسے اسے پتہ ہے کہ کس طرح پیدا کرنا ہے۔

عبداللہ پھر مسافر کی طرف متوجہ ہوا۔حضرت آپ لوگوں نے کچھ کھانا کھایا ہے۔ جی بس صبح سویرے ناشتہ کیا تھا۔مسافر نے جواب دیا۔

عبداللہ نے تھوڑی ہی دیر میں گاڑی ایک اچھے سے ہوٹل کے سامنے روک دی،سب کو اندر لے کر گیا۔اور پوچھا آپ کیا کھائیں گے۔
جی بس ایک دال اور دو روٹی،ہم تینوں کو کافی ہو جائے گا۔

مگر حضرت یہاں مرغ مسلم، بریانی، بار بی کیو سب موجود ہے۔کولڈرنکس بھی اور میٹھا بھی۔نہیں جناب دنیا تو بس گذارہ ہے،آخرت میں کھائیں گے۔

ارے حضرت ! جو اللہ آخرت میں کھلائے گا وہ یہاں بھی کھلا رہا ہے، کیوں کفران نعمت کرتے ہیں۔عبداللہ نے ایک اچھا خاصا آرڈر لکھوا دیا۔
کھانے کے دوران مسافر صاحب پھر گویا ہوئے کہنے لگے کہ آپ نے وقت دیا،لفٹ دی اور اب کھانا بھی کھلا رہے ہیں،آپ تو ولی اللہ ہوئے۔
عبداللہ کو یہ بات اتنی بری لگی کہ اسکی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا کہ جس ملک کی حالت یہ ہو اس میں شاید میرے جیسے ہی لوگوں کو ولی اللہ کہتے ہونگے۔عبداللہ نے بات جاری رکھی،مولانا صاحب آپکو ایک کہانی سناؤں۔جی ضرور۔

ایک جنگل میں سب ہی جانور تھے سوائے گدھے کے۔ایک دن ایک گدھا کہیں سے نکل آیا،سب جانور اسکے اردگرد اکٹھے ہو گئے کہ اس کا تو حلیہ ہی الگ ہے۔آواز بھی بڑی منفرد ہے۔اب گدھے نے جو اپنی اتنی آؤ بھگت دیکھی تو وہ بڑا اترایا، جب اس سے پوچھا گیا تو کون ہے تو اس نے کہا کہ وہ "انسان" ہے۔اب روز جنگل

میں اسکی خاطر مدارات ہونے لگی، لومڑی اور شیر مشورے کرنے لگے۔ کئی سال گزر گئے اور اہل جنگل کا اتفاق ہو گیا کہ یہ گدھا ہی انسان ہے۔

اب کچھ سالوں بعد وہاں ایک اصل انسان آ نکلتا ہے، پھر گھیراؤ ہوتا ہے۔ اب جب انسان دعوی کرتا ہے تو اہل جنگل گدھے کو آگے کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں انسان تو ایسے ہوتے ہیں۔ جرگہ بیٹھتا ہے اور فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ گدھا ہی اصل میں انسان ہے اور انسان جھوٹ بول رہا ہے۔ اب یا تو وہ جھوٹ کا اقرار کر کے معافی مانگے یا سزائے موت۔
بالآخر انسان بے چارہ یہ کہتے کہتے مر جاتا ہے کہ یہ انسان نہیں گدھا ہے۔
اس کا مسئلہ بہت آسان تھا، جس نے ایک بار انسان دیکھ لیا ہو وہ کسی اور شے کو انسان مان نہیں سکتا۔ ہمارے ملک سے انسان ختم ہو گئے، ولی اللہ تو دور کی بات ہے۔ لہذا جب بھی میرے جیسے گدھے نظر آتے ہیں لوگ انسان کے نعرے مارنے لگتے ہیں۔ یہ میں کوئی کسر نفسی سے کام نہیں لے رہا، اصل واقعہ یہی ہے۔

☆☆☆

مسافر حضرات کچھ سمجھ کچھ نہ سمجھتے ہوئے ہنسنے لگے، پھر مخاطب ہوئے کہ آپ اچھے آدمی ہیں، مگر یہ کافرانہ لباس (جینز اور ٹی شرٹ) نہ پہنا کریں، آپکے موبائل میں تصویر بھی جائز نہیں، اور اسطرح کھلم کھلا دین سے تعلق رکھنے والوں کا مذاق اڑانا تو کفر تک پہنچا دیتا ہے ا(وہ شاید پوری کہانی کو اپنے پہ چوٹ سمجھے تھے)۔عبداللہ بڑا اسٹپٹایا۔ کہ اب آدمی بات بھی کرے تو کس سے۔اس ملک میں آدمی اگر غلطی سے پڑھ لکھ جائے تو گونگا ہو جائے کہ کوئی بات سمجھنے والا مشکل سے ہی ملتا ہے۔

عبداللہ نے معذرت کی، انہیں باقی ماندہ سفر کا خرچہ دیا اور خدا حافظ کہہ کر چلا آیا۔مگر دل پورے دن بوجھل ہی رہا۔

وہ سوچنے لگا کہ داعی کو لوگوں پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے انہیں چپ چاپ کام کرتے رہنا چاہیے۔ داعی کی نظر جتنی وسیع ہوگی اتنے ہی لوگوں پر اعتراضات کم ہو جائیں گے۔وہ سوچنے لگا کہ داعی کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہونا چاہئیے کہ دعوت سننے والے کی انا (ego) کو نہ چھیڑے، جب کہ ہمارے دعوت کا کام ہی کسی کو ذلیل کرنے سے شروع ہوتا ہے۔آپ نے کپڑے کیسے پہنے ہوئے ہیں؟ یہاں آپ ٹی وی کیوں دیکھتے ہیں؟ آپ فلاں جگہ کیوں جاتے ہین؟ فلاں سے کیوں ملتے ہیں؟ فلاں سے کیوں نہیں ملتے؟ پہلے دن ہی داعی صاحب ہر اس چیز کے دشمن ہو جاتے ہیں جو آپکو محبوب ہو۔ارے بھائی، اس سے بہتر محبت کا بتاؤ، اس سے بہتر ذکر سکھاؤ۔دل خود بخود اچھی چیزوں پر مائل ہو جائے گا۔پھر بتاتے رہنا چھوٹے موٹے مسائل داعی ایسا بندہ ہوتا ہے جو بندے اور اللہ کے بیچ میں آ جاتا ہے۔اب اگر غلط راستہ بتاؤ گے تو پوچھ تو تمھاری بھی

ہوگی نا؟ اگر اجازت ملی تو میں صاف کہہ دوں گا کہ اللہ اس کے پاس آیا تھا تیرا پوچھنے اس نے ٹرک کی لال بتی کے پیچھے لگا دیا۔

پتہ نہیں ہر دینی آدمی کو، (مولانا کہنا تو ظلم ہوگا، ہر شخص جو داڑھی رکھ کے دین کی تبلیغ شروع کر دیتا ہے وہ مولوی تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ مولوی کے لیے تو بہت پڑھنا پڑتا ہے) ہاں باتونی کہہ سکتے ہیں۔ تو ہر باتونی آدمی کو میری جینز سے ہی دشمنی کیوں ہوتی ہے؟ اور ایسا ہی کیوں ہے کہ ظاھری شکل و صورت کو باطنی پر ترجیح ہے۔ اللہ میاں ہمارے اندازوں سے کتنے مختلف ہیں۔ عبداللہ اپنی ذہنی رو میں بہتا ہی چلا گیا۔

مجھے ایسا لگتا ہے کہ قیامت کے روز بہت سے لوگوں کو سرپرائز ملے گا۔ بہت سی نیکیاں جنہیں وہ نیکیاں سمجھ رہے ہونگے وہاں سرے سے شاید ہوں ہی نہیں اور بہت سے گناہ شاید گناہ کے خانوں میں نہ ہوں اور بہت سی نیکیاں شاید گناہ میں لکھ دی جائیں (جو اللہ کے لیئے نہیں ہوں) اور بہت سے گناہ شاید نیکیوں میں لکھ دیئے جائیں۔ اللہ کی مرضی ہے۔ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اب اگر صحابہ کرام سے غلطیاں سرزد نہ ہوتیں تو سزائیں کیسے ملتیں؟ اور اگر شرعی حدود اس وقت نہ لگتیں تو آج 1400 سال بعد کون لگاتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ایک بندہ آئے گا، اللہ سبحانہ وتعالی اسکے تمام گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے تو وہ کہے گا کہ اللہ تعالی آپ نے فلاں فلاں گناہ تو گنے ہی نہیں؟۔ بس آدمی کو اگر بُرائیاں ہی گننی ہوں تو کیا اپنا نفس کافی نہیں ہے؟ کسی دوسرے کے بارے میں ہمیشہ گمان رکھنا چاہیے کہ بخشا جائے گا، کوئی ایسی نیکی کر جائے گا کہ اگلا پچھلا سب برابر ہو جائے گا اور اپنے نفس سے اِتنی بدگمانی ہونی چاہیے کہ یہ کافر کر کے چھوڑے گا۔ بس اللہ ہی بچالے۔

عبداللہ کا ذہن رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اُس کے آنسواُ سکے ذہن کی رفتار کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کر رہا تھا کہ اُسے اِن نیک آدمیوں سے سخت بات نہیں کرنی

چاہیے تھی۔ ساری نیکی بھی برباد ہوئی۔ کاش خاموش رہتا۔ جب بولتا ہے کوئی نہ کوئی فساد کا سامان ہوتا ہے۔ اپنی ذات سے بڑا فتنہ دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ آج عبداللہ کو اِس بات کا مکمل یقین ہوگیا۔ عبداللہ نے آج تمام لوگوں کو صدِق دل سے معاف کردیا۔ کہ دل صرف اللہ کی یاد کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اِسلیے کہ لوگوں کی باتیں اُس میں رکھی جائیں۔

عبداللہ آج پھر سراپا دعا تھا:-

"اے دعاؤں کو قبولیت بخشنے والے اللہ۔ یا انت ارحم الرّاحمین۔ اے ترس کھانے والوں میں سب سے زیادہ ترس کھانے والے اللہ۔ اے آسوں کے آس والے اللہ، اے عاصیوں کے آس والے اللہ، اے وہ اللہ کہ جس سے سبکو آس ہوتی ہے۔ چرند، پرند، انسان، ملائکہ اور جن سب کی نظریں، سب کو آس صرف تجھ پہ ہی آ کے رکتی ہیں۔ میری آس نہ توڑیو۔ اے عزت والے اللہ، میری لاج رکھ لے۔

اللہ سائیں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہ ہووے ہے۔ امّتِ محّمد صلّی اللہ علیہ وسلّم میں سے ہوں۔ یہ سارے مخمل لوگ ہیں۔ دین کا کام کرتے ہیں۔ میں اِک ٹاٹ رہ گیا۔ دنیا کیا کہے گی۔ تجھے اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے محبت کا واسطہ مجھے بھی مخمل کردے۔ اے اللہ تُو صمد ہے، کیا ہی خوبصورت نام ہے تیرا، خوف و اُمید دونوں اِس میں یکجا ہوگئے ہیں۔ جب تیری بے نیازی پہ نظر پڑتی ہے۔ تو ڈر جاتا ہوں کہ سارے اعمال سے بے نیاز ہوگیا کہ میرے لیے تھوڑا ہی کی تھیں تو مارا جاؤں گا، ہا ں اگر رحمت کی نظر کی اور بے نیازی میں کوئی پرواہ نہ کی کہ کتنے گناہ لے کے آیا ہوں تو بیڑہ پار ہے۔

اے اللہ! میں بار بار گناہ کرتا ہوں۔ گناہ دہرایا جائے تو غلطی نہیں مرضی ہوتا ہے۔

اے اللہ معاف کردے۔ مجھے تھوڑے لوگوں میں سے کردے جن کے بارے میں تو بشارتیں دیتا ہے قرآن میں کہ وہ جنّت میں جائیں گے۔ وہ جو تیرا شکر ادا کرتے ہیں، وہ جو تیرے حکم پہ چلتے

ہیں۔اُن زیادہ میں سے نہ کرنا جوحکم عدولی کرتے ہیں۔ جوجہنم میں جائیں گے۔جونافرمان ہیں۔

اے اللہ،کوئی اگر ہوتا تیرے علاوہ تو میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ عبادت تیری کرتا اور نافرمانی اُس کی کرتا مگر کوئی ہے ہی نہیں۔کوئی چوائس نہیں ہے۔نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کے نافرمانی بھی تیری ہی ہو جاتی ہے۔تُو معاف کر دے، درگزر فرما دے۔آئندہ نہیں کروں گا اور آئندہ کرلوں تو پھر سے معاف کر دینا۔

گناہ بھی تو ایک تعلق ہے نا میرے اللہ، استغفار بھی تو ایک تعلق ہے نا میرے آقا۔ یہ روتا، پیٹتا، گرتا، پڑتا بندہ بھی تو تیرا ہے نا میرے اللہ۔
خیال رکھنا میرے مالک، نافرمان ہوں مگر ہوں تیرے در کا، تیری ہی نافرمانی ہوجاتی ہے کسی اور کی نہیں۔

اے اللہ، میں دِن کے اجالے میں غرور کرتا ہوں اور رات کی تاریکیوں میں گناہ۔میں تو کسی پل بھی تیرا فرمانبردار نہ رہا، میں تو مارا جاؤں گا۔

تو مجھے میرے گناہوں پہ معاف فرما،
تو مجھے میرے نیکیوں پہ بھی معاف کر دے۔
آئندہ غلط بات نہیں کروں گا۔

من جا میرے ربّا،من جا میرے ربّا۔"
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبداللہ کی زندگی گشتم پشتم گزر رہی رہی تھی۔ مجموعی طور پر وہ لکھنے پڑھنے درس وتدلیس اور سوچنے میں ہی مصروف ہوتا اور اگر کچھ ٹائم بچ جاتا تو کوئی نہ کوئی واقعہ اُسے تمام دِن تک محور کھتا۔

عبداللہ کو ملک کی سب سے بڑی ڈیفنس یونیورسٹی سے ایک بہت اہم کورس کرنے کا دعوت نامہ مِلا، جِسے اُس نے بخوشی قبول کر لیا۔ کچھ ہی ہفتوں کے اس کورس میں عبداللہ کو ملک کی تمام، دفاعی تنصیبات دیکھنے کا موقعہ ملا، تمام دِفاعی اداروں اور سِول گورنمنٹ کے حکّام سے ملا، چاروں وزرائے اعلیٰ سے ملاقات ہوئی اور وطن عزیز کے تمام صوبوں اور قبائلی علاقہ جات میں رہنے کا موقعہ مِلا۔ عبداللہ نے جتنا پاکستان کو اِن چند ہفتوں میں جانا اتنا کبھی نہ جانا تھا۔ اسے شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ وطن عزیز میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔

بغیر اعلیٰ تعلیم کے، بغیر زندگی کی بنیادی سہولتوں کے بھی اگر یہ قوم یہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ نیوکلئیر پاور بن سکتی ہے، ہر چھٹے روز ایک خودکش حملے اور ہر چھٹے روز ڈروان حملے میں مرنے کے باوجود زندہ رہ سکتی ہے تو وہ کیا چیز ہے جو یہ نہیں کر سکتی۔

اگر بندہ ہمت کرے اور محنت کرے تو نبوت کے علاوہ وہ کونسا ایسا مقام ہے جو حاصل نہ کیا جا سکے۔ سُپر پاور بننے سے خُدا کی ولایت اور دوستی تک سب ہمت واُمید کے ہی تو مرہونِ منّت ہیں۔ اور سب سے بڑا ظلم جو اِس قوم پر ہوا وہ اُمید کی غربت ہے۔ نا اُمیدی کا یقین ہے۔ اندھیرے کی نوید ہے جو ہمارے ٹی وی چینلز ہمارے جوانوں کی رگوں میں ہر روز نشے کی طرح

اُتار رہے ہیں۔ پہلے کوئی سوچتا تھا کہ ایسے بولیں گے تو کوئی کیا کہے گا، جب سے میڈیا آزاد ہوا ہے وہ' کوئی' بھی مرگئی۔ ہمارے ملک میں لوگ زندگی کے خواب دیکھتے ہیں باہر والے خوابوں کی زندگی گزارتے ہیں۔اوراب تو خواب دیکھنے والے بھی کم ہی رہ گئے ہیں۔ مہنگے خواب دیکھنے کے لئے آنکھیں بیچنا پڑتی ہیں، دن ورات ایک کرنے پڑتے ہیں، پتّہ ماری کی محنت ہوتی ہے۔ مگر جو لوگ ہمت نہیں کرتے وہ پھر کرامات / معجزات کا انتظار کرتے ہیں اور انتظار کرتے کرتے فنا ہو جاتے ہیں۔

عبداللہ آج سوچنے لگا کہ ہمارے ملک، ہمارے معاشرے کا اگر کوئی تجزیہ کرے یا تاریخ لکھے تو وہ کیا لکھے گا، شاید وہ لکھے کہ یہ ایک ایسا معاشرہ تھا۔
جِس میں تیری باقی تھی، جس میں ایمان کی رمُق موجود تھی، جِس میں دین کی چنگاری پنہاں تھی۔ ایک ایسی قوم تھی جو روز مرتی تھی مگر جینا نہیں چھوڑتی تھی۔ جو لٹانے پر آئے تو سب کچھ لٹا دیتی تھی جو جتنے تھی تو بچوں کی طرح گلیوں میں آجاتی تھی۔ جو ناچتی تھی تو موسم بدل دیتی تھی اور جب روتی تھی تو آسمانوں کو رُلا دیتی تھی۔

مگر ایک قوم ایسی جس میں شدت تھی، محبت میں بھی اور نفرت میں بھی، جس کو کچھ دینے اور سب کچھ دینے کا فن آتا تھا، جس کے بچے کانے اور تختی سے پڑھ کے نکلے اور ایٹم بم بنا ڈالا، جو بغیر چھت کے سو جاتی تھی، جو بنا پیئے بھی سیراب تھی، اور جو ایک بار ٹھان لے اس کو پورا کرنے میں پوری کائنات اس کا ساتھ دیتی تھی۔

مگر

اس قوم کو اپنی قوت کا اندازہ ہی نہ ہوا، اسے معلوم ہی نہ ہوسکا کہ وہ کس خمیر کی مٹی سے بنی ہے، اس کو لوگوں نے، لیڈروں نے اپنی اپنی منشاء کے مطابق بانٹا اور تقسیم کیا۔ اس نے اپنے محسنوں کو بھلا

دیا۔اورنجات دہندہ کورد کردیا۔

اس نے اپنے دین کو بھلا دیا،اپنے ایمان کو بیچ دیااور اپنے اوپر پڑھنا لکھنا۔اور سچ بولنا حرام کرلیا۔

پاکستانی بھی عجیب قوم ہے یہ بیک وقت ظالم بھی ہو اور مظلوم بھی ہے۔ ہر شخص اپنے پہ ہونے والے مظالم کی داستان سُناتا ہے۔مگر جب جہاں موقعہ ملتا ہے اپنے سے کمزور کو پیس دیتا ہے اور کوئی رعایت نہیں چھوڑتا۔ پردے کے ملنے سے ڈرنے والا مسلمان اللہ سے نہیں ڈرتا۔اور اس ملک میں لوڈشیڈنگ بھی بہت ہے۔صرف بجلی کی ہی نہیں کہ بلب بجھ گئے ہیں۔خانقاہوں میں چراغ بھی بجھ گئے ہیں،مسجدوں کی رونق بھی بجھ گئی ہے۔بچوں کے چہرے بھی بجھ گئے ہیں اُمیدوں کی شمع بھی گل ہوگئی ہے،ستارون کی چمک بھی ماند پڑ گئی ہے،چاند کا حسن بھی زائل ہوگیا ہے۔منبرومحراب بھی خاموش ہیں۔الغرض نصیبوں کی لوڈشیڈنگ ہوگئی ہے۔

یہ قوم علم سے ایسے متنفر ہوئی،ایسی بے توفیق ہوئی کہ کوئی مہینے میں 5 ہزار صفحات بھی نہیں پڑھتا۔ صرف وہ علم حاصل کرنا چاہتی ہے جس سے پیسہ کما سکے،معاشی حیوان بن جائے۔مگر کاش پیسہ ہی کمالیا ہوتا۔وہ بھی کہاں کمایا؟

مورخ لکھے گا کہ جس قوم کو اپنے پیچھے ادارے،افراد،اور منصوبے چھوڑ کے جانے تھے وہ پلاٹس اور شاپنگ پلازے چھوڑ گئی۔مورخ لکھے گا جس قوم نے روٹی اسلیئے کھانی تھی کہ رزاق کا شکرادا کر سکے،روٹی اُس قوم کو کھا گئی۔مورخ لکھے گا ایک ایسی قوم تھی۔ جو فطرت سے ٹکرا گئی اور پھر فطرت نے اُسے پچھاڑ دیا۔مورخ لکھے گا کہ جتنا چھپا کے گناہ کرتی تھی اتنا چھپا کے نیکیاں کر گئی ہوتی تو سُرخرو ہو جاتی۔اور شاید یہ بھی لکھے کہ جس اسلام کے نام پر ملک لیا،اسی اسلام کو اسی ملک میں سب سے زیادہ نظرانداز کیا۔

ایک ایسی قوم جسے غلامی سے عشق تھا۔جس نے پلاننگ کا سارا کام اپنے آقاؤں کے سپرد کر دیا تھا کہ غلام پلاننگ تھوڑا ہی کرتا ہے۔جس کا ریشہ ریشہ غلام تھا، جسے غلامی اچھی لگنے لگی تھی؛ جسے غلامی سے محبت ہوگئی تھی؛ جسکی رگ و پے میں غلامی سرایت کر گئی تھی۔جس کا مزاج غلامانہ بن گیا تھا۔ جہاں غلامی کے بغیر جینا مشکل تھا، جہاں آزاد بندوں کا سانس رک جاتا تھا یا روک دیا جاتا تھا۔ ایک ایسی قوم جو نادیدنی زنجیروں میں جکڑ دی گئی۔جسے شک کی وادی میں ہانک دیا گیا۔جس میں اعتماد نہ رہا اور جب اعتماد نہ رہے تو کیسے کوئی پہاڑوں کا سینہ چاک کرے اور کیسے کوئی کائنات کو مسخر کرے۔

مورخ شاید یہ بھی لکھے کہ اس قوم نے خود محنت نہ کی بلکہ بیّا کا گھر بھی توڑ دیا، جس نے کم ظرفوں کو دین کی تعلیم دے دی اور بدعقلوں کو دنیا کی۔ یہاں بھنورے میں پلے ہوئے لوگوں کو حکومت ملی جنھیں خبر ہی نہ ہوئی کہ کسی اور کا سچ بھی سچ ہوسکتا ہے ایک ایسا ملک تھا جہاں غریب، کسمپرسی کی حالت میں کم ظرف کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہے۔ جہاں ہر کام کے لیئے غریب کو دن میں ہزاروں سجدے کرنے پڑتے تھے، جہاں سچ بولنے کی زکوۃ تنہائی تھی، جہاں ٹھنڈے مزاج لوگوں کو بے غیرت کہا جاتا تھا، جہاں گناہ تکرار کے باعث عادت بن چکے تھے۔ جہاں علم بغیر تزکیئے کے پھیلا اور جہاں ذکر بغیر علم کے پروان چڑھا، ایک ایسی قوم جسے بے وقوفی اور حسنِ ظن میں فرق ہی پتہ نہ چل سکا، اور ایک ایسی قوم جو سوا سو سالوں سے تصویر کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ ہی نہ کر سکی، ایک ایسی قوم جسے اللہ 67 سالوں سے درگزر کرتا چلا آیا۔جسکے ساتھ مالک کُل نباہ کرتا چلا آیا مگر اس نے نباہ نہ کی۔

اور مورخ شاید یہ بھی لکھے کہ اس قوم نے ایک بچی کے سر میں گولی ماری تھی۔اور اس کا علاج تک نہ کر سکی اور جب اس نے ملک سے باہر جا کے کتاب لکھی تو پورے ملک نے کفر کے فتوے لگا دیئے مگر کسی ایک بچی کو تعلیم یا زندگی کی گارنٹی نہ دی۔

ایک ایسی قوم جو، اسکولوں کو بموں سے اڑا دیا کرتی تھی اور جہاں عالم پڑھائی کو بے غیرتی کی وجہ بتاتے تھے۔ ایک ایسی قوم جہاں جھوٹ کی بِیسیوں قسمیں تھیں۔ یہاں تک کہ جس شخص پہ تھوکنے کو دل نہ چاہے اس کی بھی خوشامد کریں۔

ایک قوم جس کو کہانیاں سنانے کا شوق تھا مگر عمل کا نہیں، جو سچی بات سے منہ پھیر لیتی تھی اور کبر کرتی تھی۔ جہاں حق گوئی قابل تعزیر جرم تھا اور جھوٹ بولنے والوں کی جے جے کار، جہاں لوگوں نے بولنا اِسلیئے سیکھا کہ باقی لوگوں کو بیوقوف بنا سکیں اور حدیث کی روشنی میں ملعون ٹھرے۔

ایک ایسا ملک جہاں 5 ہزار بچے سالانہ نالیوں اور کچرے کی ڈبّوں میں پھینک دیئے جاتے ہوں، 6 ہزار قتل ہو جاتے ہوں۔ 10 لاکھ FIR کٹتی ہوں، 1500 بچیوں کے ساتھ زنا بالجبر ہوتا ہوں، 80 کے ساتھ اجتماعی زیادتی ہو جاتی ہو، لوگ بچے بیچ کے پیٹ بھرتے ہوں اور ایمبولینس میں انتظار کرتا بیمار، صاحب کے گذر جانے تک لاش بن جاتا ہو۔

اور آخر میں مورّخ شاید ایک نیا ترانہ بھی لکھے، اور یہ کہ یہ ترانہ آپ لیٹ کے سن سکتے ہیں کیونکہ اگر کھڑے ہونے کی قوت ہوتی تو اِس حال پہ پہنچتے ہی کیوں؟

لا الہ کے دیس میں
کشورِ حسین پر
المیہ ہی المیہ
پاک سرزمین پر

اہلِ زر کا راج ہے
جبر تخت و تاج ہے

ظلم کا سماج ہے
روگ لاعلاج ہے

ظلم کا یہ سلسلہ
تاق ہے جبین پر
المیہ ہی المیہ
پاک سرزمین پر

خوف ہے ہراس ہے
تشنگی ہے پیاس ہے
چھت ہے نالباس ہے
چور چور آس ہے

ہائے لٹ گیا یقین
مرکز یقین پر
المیہ ہی المیہ
پاک سرزمین پر

شہر ہے یا گوٹھ ہے
نظریوں کی اوٹ ہے
نیتوں میں کھوٹ ہے
ٹھوکریں ہیں چوٹ ہے

رہزنی کا ہو گمان
اپنے ہم نشین پر
المیہ ہی المیہ
پاک سرزمین پر

بھیڑیے ہیں روبرو
بہہ رہا ہے کو بہ کو
اپنا خون جو بہ جو
تیرزن چہار سو

سب کے سب جھپٹ پڑے
آج اہل دین پر
المیہ ہی المیہ
پاک سرزمین پر

لا الہ کے دیس میں
کشور حسین پر
المیہ ہی المیہ
پاک سرزمین پر

☆☆☆☆☆☆☆☆

آج عبداللہ پھر مفتی صاحب کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اپنے سوالات کی فہرست ڈائری اور قلم لے

کریں۔

☆ مفتی صاحب دنیا کسے کہتے ہیں؟
ہر وہ چیز جو اللہ کی یاد کو بھلا دے وہ دنیا ہے۔

☆ ندامت کی انتہا کیا ہے؟
چھوڑ دے اس کام کو۔ اللہ کی یاد بڑی چیز ہے۔ اللہ بڑے ہیں۔ کیا منہ دکھائے گا۔ نہ کرے ایسا۔

☆ توبہ کی انتہا کیا ہے؟
آدمی اپنی نیکیوں پہ بھی توبہ کرے کہ ان کا حق ادا نہیں ہوا۔

☆ آپ لوگ کہتے ہیں کہ "ہم تو گناہگار بندے ہیں۔ کچھ آتا جاتا نہیں" یہ کیا بات ہوئی؟
میں کمپیوٹر سائنس کا اُستاد ہوں اب اگر میں کلاس میں جا کر کہوں کہ مجھے تو کچھ آتا جاتا نہیں تو کلاس پڑھے گی کیوں؟ چلیں مان لیا کہ آپ پنڈی اور اسلام آباد کے سب سے گناہگار آدمی ہیں تو بتائیے میں کیوں آؤں اِصلاح کے لیئے آپکے پاس۔ یہ آپ نیک لوگ اتنی confusion کیوں مچاتے ہیں؟

ایسے ہی ہوتا ہے عبداللہ، بالکل ایسے ہی ہوتا ہے۔ جو شخص جتنا پڑھے گا اتنا ہی جاہل رہ جائے گا۔ ہر شخص کی مجہولات اس کی معلومات سے زیادہ ہے۔

رسالتِ پناہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم دِن میں 70 بار استغفار کرتے تھے۔ وہ تو معصوم تھے تو پھر کس گناہ سے استغفار کرتے تھے۔ بندہ جب معرفت کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس کا ہر آنے والا دِن اسے وہ مقامات دکھاتا ہے کہ گذشتہ دِن کو دیکھ کے اس پر استغفار ہی کر سکتا ہے۔ صرف اللہ کو پتہ ہے، کون کتنا متقی ہے بندے کو تو اپنے بارے میں ڈرتے ہی رہنا چاہیئے۔ جوانی پہ خوف غالب ہو تو بڑھاپے میں اُمید قائم رہتی ہے۔ اِنھی دو کیفیات کے درمیان رہتے ہوئے زندگی

گزرانی چاہیے۔

☆ اچھا، برکت کسے کہتے ہیں؟
برکہ عربی میں زیادہ کو کہتے ہیں۔تھوڑا زیادہ ہوجائے تو اِسے برکت کہتے ہیں۔
اللہ برکت دینے والا ہےاور کبائر سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔

☆ اچھی صحبت اور فرائض کی تکمیل کے علاوہ کیا چاہیئے ہوتا ہے؟
تقویٰ۔تقوی آدمی کو اندر سے مانجھ دیتا ہے اور جب ذہانت کے ساتھ تقوی ملتا ہے تو اللہ اِلہام کرتا ہے۔تقویٰ یہ ہے کہ جو کام کرے یہ سمجھے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور اللہ کے لیئے ہی کرے۔

☆ میرا بیرون ملک سفر رہتا ہےاور سفر میں عموماً نامحرم پہ نظر پڑ ہی جاتی ہے، کیا کروں؟
کوشش کریں جتنا بچاؤ ممکن ہے وہ کریں۔اور جو دن میں کئی بار نظر اپنے آپ پر پڑتی ہے آئینے میں اس کا کیا؟ جو اپنے آپ سے کہتا ہے کہ واہ کیا لگ رہے ہو؛ کیا بات ہے؟ اُس کا بھی تو سوچے۔کئی ایک ایسے گناہ ہیں جنکو ہم گناہ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔یہ جو نفس روز انسان سے باتیں کرتا ہے نا یہ جو پٹیاں پڑھاتا ہے یہ بہت خطرناک ہیں۔بایزید سطامیؒ کے پاس ایک لڑکا آیا اور روئے جا رہا تھا کہ حضرت بات سن لیں، گناہ کر آیا ہوں۔اکیلے میں پوچھا تو کہنے لگا حضرت شراب پی آیا ہوں تو انھوں نے جواب دیا اوہو، ہم سمجھے غیبت کر آئے ہو۔اب شراب پینا تو بُری بات ہے پر مگر غیبت تو اس سے بھی بُری ہوئی نا

☆ مفتی صاحب کبھی کبھی نماز پڑھتے ہوئے گھبراتا ہوں کہ اللہ کا سامنا کیسے کروں۔اتنے گناہ ہیں۔

گناہوں کے ایسے تجزیئے کرنا کہ بندہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائے شیطان کی بڑی چال ہے۔ گناہ سے اس وقت تک پریشان رہو جب تک سرزد نہ ہو جائے، بعد میں اللہ سے معافی مانگو۔ نماز پڑھا کرو۔ اتنا نہ سوچا کرو، اللہ رحم کرے گا۔

☆ یہ جو ہم روزانہ میرے "پیارے" نبی صلّی علیہ وسلّم بولتے ہیں تو پیارے پہ جھوٹ کا گناہ تو ملتا ہوگا کہ زندگی میں تو پیارے ہوتے نہیں ہیں۔

نہ بولیں ایسا۔ ضرور پیارے بولا کریں، عقیدت کا ثواب ہوگا۔ اور یہ بولنا اور یہ سوچ ایک دن ضرور راہ پہ لے آئی گی۔

☆ مٹے ہوئے لوگ کون ہوتے ہیں؟ جن کی انانیت ختم ہوگئی ہو؟

حضرت حارث محاسبیؒ ایک دن مسجد میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص آیا اور ان کو حلیئے سے مسجد کا خادم سمجھا تو کہنے لگا مسجد اتنی گندی ہے صاف کردو۔ وہ اٹھ کے باہر چلے گئے۔ شخص بڑا غصے میں آیا کہ میں نے کام کہا اور یہ باہر چلے گئے۔ باہر جا کے پوچھا تو کہنے لگے، میں نے نظر دوڑائی تو مسجد میں سب سے زیادہ ناپاک چیز اپنی ہی ذات نظر آئی تو آپ نے کہا تھا صفائی کردو تو میں باہر آ کے بیٹھ گیا۔

ایک اور بزرگ تھے بغداد میں، ایک شخص نے سوچا کہ انھیں آزماتے ہیں۔ ان کے پاس جا کر کہنے لگا کہ حضرت کل شام کھانے پہ تشریف لے آیئے مغرب کے بعد۔ اور مغرب پاس والی مسجد میں ہی پڑھ لیں۔ وہ نماز پڑھ کے پہنچ گئے۔ دروازے پہ دستک دی کسی نے نہ کھولا، وہیں سائیڈ پر بیٹھ گئے، عشاء ہوگئی دروازہ نہ کھلا تو عشا پڑھنے چلے گئے پھر واپس آ کے بیٹھ گئے۔

پوری رات گزر گئی۔ تہجد کے وقت وہ میزبان باہر نکلا اور حیرت سے پوچھا آپ یہاں کیسے۔

اس کہا کہ آپ نے دعوت پہ بلایا تھا تو کہنے لگا، میرے تو ذہین میں نہیں ہے۔ اچھا آپ بیٹھیں تو میں کھانا لے کے آتا ہوں۔ پھر غائب، فجر ہوگئی اشراق ہوگئی دن چڑھے نکلا اور کہا گھر میں عورتیں سوئی ہوئی ہیں یہ لیں ایک سکہ اور بازار سے کھالیں۔ انھوں نے شکریہ ادا کیا سکہ لیا اور واپس آ گئے۔

شام کو وہ شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ میں تو آزمارہا تھا تو کہنے لگے کہ کوئی بات نہیں بغداد کے کتے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ جہاں سے ملنے کی امید ہو وہاں پڑے رہتے ہیں

عبداللہ یہ تھے وہ لوگ جو مِٹے ہوئے تھے

☆ عبداللہ نے روتی آنکھوں سے پوچھا؛ اِخلاص کسے کہتے ہیں:۔

جیند بغدادی کہتے تھے کہ میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا۔ ایک دن میرے استاد نے کہا کہ تمھارے بال بہت بڑھ گئے ہیں اب کٹوا کے آنا۔ پیسے کوئی تھے نہیں پاس میں؛ حجام کی دکان کے سامنے پہنچے تو وہ گاہک کے بال کاٹ رہا تھا۔ انھوں نے عرض کی چاچا۔ اللہ کے نام پہ بال کاٹ دو گے۔ یہ سنتے ہی حجام نے گاہک کو سائیڈ پر کیا اور کہنے لگا پیسوں کے لیئے تو روز کاٹتا ہوں۔ اللہ کے لیئے آج کوئی آیا ہے۔

اب ان کا سر چوم کے کرسی پہ بٹھایا۔ روتے جاتے اور بال کاٹنے جاتے۔ حضرت جنید بغدادی نے سوچا زندگی میں جب کبھی پیسے ہوئے تو، انکو ضرور کچھ دوں گا عرصہ گزر گیا، یہ بڑے صوفی بزرگ بن گئے۔ ایک دن ملنے کے لئے گئے، واقعہ یاد دلایا اور کچھ رقم پیش کی۔ تو حجام کہنے لگا، جنید تو اتنا بڑا صوفی ہو گیا تجھے اتنا نہیں پتہ چلا کہ جو کام اللہ کے لیئے کیا جائے، اس کا بدلہ مخلوق سے نہیں لیتے؟

☆ بچوں کی تربیت کیسے کروں؟

اولاد کو صرف رزق حلال کھلاؤ۔ رزق حلال میں بڑی برکت ہے یہ ایک دن اپنا اثر دکھائے گا۔ صدقہ اولاد کے سامنے کیا کرو تاکہ اُن کی عادت بنے۔ نماز کے لیئے کہتے رہو۔ بڑوں کا ادب اور تمیز سکھاؤ۔

☆ اچھا، آخری سوال۔ اگر کسی بندے سے لڑائی ہو جائے تو کیا کروں؟

صرف اتنا دیکھ لیں کہ اُس کا اللہ کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔ اگر تو اچھا ہے تو چپ رہیں۔ اللہ آپکے نقصان کا مداوا کہیں اور سے کر دے گا مگر اپنے دوست کو آپ کے حوالے نہیں کرے گا۔ اور اگر معاملہ درست نہیں ہے تو بھی چپ رہیں کہ جب اللہ کا عذاب آئے گا تو آپ کا بدلہ بھی پورا ہو جائے گا۔

☆☆☆

امریکہ نے نئی کمپنیوں کے لیئے ایک start up مقابلے کا انعقاد کیا؛ ملک بھر سے 400 کمپنیوں نے مرحلہ وار پروگرام میں شرکت کی۔عبداللہ کی کمپنی بھی جیتتے جیتتے فائنل میں پہنچ گئی۔آج شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں فائنل رزلٹ کی اناؤنسمنٹ تھی۔عبداللہ تیار ہوکر گیا۔بلّو کو، بچوں کو، مفتی صاحب کو، کمپنی کے تمام لوگوں کو لے کر گیا۔

آج اُس کا دِل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا، پاکستان کے تمام چوٹی کے لوگ موجود تھے اسکی فیلڈ کے۔تمام کمپنیاں اور عبداللہ سوچ رہا تھا کہ اگر آج اُسے پہلا انعام مل جائے تو کمال ہو جائے۔اِس ملک میں لوگ اسکی ڈگریاں اس کے منہ پر مار کے نکال دیتے تھے اور کہتے تھے کہ عبداللہ کا پڑھ جانا ایسے ہی ہے جیسے سورج مغرب سے نکلے۔عبداللہ مفتی صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور دِل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ اے اللہ، تُو نے کہا (کُلَّ یومٍ ھُوَ فی شان ہ) مجھے بھی دکھا اپنی شان، آج نکال ہی دے سورج کو مغرب سے۔

آج جیتا ہی دے، آج دکھا ہی دے، اپنی قدرت کا مظہر بنا دے۔اتنے میں پہلی پوزیشن کا اعلان ہوا اور عبداللہ کی کمپنی اوّل آئی۔عبداللہ کے منہ سے صرف اتنا نکل سکا۔

" کیا بات ہے میرے اللہ۔" جب وہ اسٹیج کی طرف جا رہا تھا تو دل میں کہتا جا رہا تھا۔ملک کے تمام دانشور جو میری فیلڈ میں ہیں آج میرے پاؤں کے نیچے اور یہ ہے اللہ کا فضل جو کسی وجہ کا محتاج نہیں ہے۔

عبداللہ آج پھولا نہیں سما رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ آج سے روز ایک تسبیح اس جملے کی پڑھے گا۔ کیا بات ہے میرے اللہ۔ تا کہ ربّ کا شکرادا ہو سکے۔ ٹی وی والوں، اخبار والوں اور فنکشن سے فراغت کے بعد عبداللہ گھر کو روانہ ہوا۔ بلّو اور عبدالرحمٰن کے ساتھ۔

مغرب کا وقت ہو چلا تھا اس نے گاڑی مسجد میں روکی' نماز ادا کی، شکرانے کے نفل پڑھے اور پھر چل پڑا۔ تھوڑا سا آگے پہنچا تو روڈ بلاک تھا اور آگے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ عبداللہ اور اس کا ڈرائیور گاڑی سے اتر کر پتھر اٹھانے لگے تو آس پاس سے چھ مسلح ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔

انعام کی رقم، لیپ ٹاپ، بلّو کے زیور، بٹوہ، موبائل فونز سب ہی کچھ تو لے لیا۔ جب وہ جانے لگے تو عبداللہ نے کہا۔ بھائی ! بات سنو! میرا سامان واپس کردو۔ تو وہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے بکواس بند کرو۔ ہم سانس بعد میں لیتے ہیں گولی پہلے مارتے ہیں۔ عبداللہ نے کہا، اللہ پوچھے گا۔

اِس پر ایک ڈاکو بہت غصہ ہوا، کہنے لگا دھمکی دیتے ہو۔ عبداللہ نے سوچا اور کہا کہ ہاں غریب آدمی دھمکی تو دے ہی سکتا ہے۔

بس یہ سننا تھا کہ وہ سب عبداللہ پر پل پڑے، لاتیں، گھونسیں مشین گن کے بٹ، 3 دانت توڑے، ایک پسلی اور چہرے پہ مار مار کے بھرتا بنا دیا۔ بلّو کو بھی مار پڑی اور بیٹے کو بھی، اور عبداللہ ٹوٹی ہوئی ٹرافی کے ساتھ گھر واپس۔

سب نے کہا پولیس کو فون کرو۔ کچھ کرو مگر عبداللہ سیدھا کمرے میں گیا۔ دروازہ بند کیا۔ خون رکنے کے بعد وضو کیا اور دو رکعت "نماز دوستی" کی نیت کر کے کھڑا ہو گیا جا نماز پر۔ پتہ نہیں کیسی نماز پڑھی کہ قرآن کم اور آنسو زیادہ تھے، رکوع میں گیا تو جیسے اٹھنا ہی بھول گیا ہو اور سجدے میں گیا تو جیسے جسم اٹھ جانے کے باوجود دل سجدے میں ہی چھوڑ آیا ہو تمام عمر کے لیے۔

پتہ نہیں نماز تو گھر پہ پڑ رہا تھا مگر سجدے کی ضرب کہاں لگ رہی تھی ۔ اِتنی لمبی دو رکعتیں اس نے زندگی میں کبھی نہ پڑھی تھیں ۔غم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوتے ہیں کہ بندہ رجوع کرتا ہے۔

عبداللہ نے دعا کو ہاتھ اُٹھائے ، بلّو بھی پیچھے آ کے جانماز سے لگ کے بیٹھ گئی:۔
"اے میرے اللہ! میرا تیرے سِوا کوئی نہیں ہے،

وہاں میرے سِوا واسب کچھ ملے گا
یہاں تیرے سِوا کوئی نہیں ہے

تو یقین کر لے میرا تیرے سِوا کوئی نہیں ہے،کوئی بھی تو نہیں ہے۔اے اللہ تیری حمد بیان کرتا ہوں۔ یااللہ تیرا حق بنتا ہے کہ تیری عبادت کی جائے ،میرے مالک تیرا حق بنتا ہے کہ تیری تعریف کی جائے ۔ میرے ربّا تیرا حق بنتا ہے کہ تجھ سے دُعا کی جائے ، جو کچھ بھی ہوا بے شک میری گناہوں کی نحوست تھا۔ مجھ میں اور میرے گناہوں میں زمین و آسمان کا فاصلہ کر دے۔مشرق و مغرب کا فاصلہ کر دے۔دھو دے میرے گناہ میرے اللہ۔

میرے اللہ، پیارے نبیﷺ نے تیری قسم کھا کے کہا تھا کہ جو خرچ کرے گا تو اُس کا مال بڑھا دے گا اور جو معاف کرے گا تو اِس کی عزّت بڑھا دے گا۔

اے اللہ میں نے تجھے خوشی میں یاد رکھا تھا،تُو خوب جانتا ہے،تُو مجھے غم میں نہ بُھلانا۔
تو یقین کیوں نہیں کرتا کہ میرا تیرے سِوا کوئی نہیں ہے۔اے اللہ تیرے سِوا کوئی بچانے والا نہیں ہے۔کوئی مارنے والا بھی نہیں ہے۔موت سے بندے کو صرف موت ہی تو بچاتی ہے۔

او، میرے اللہ، میری سن، ساڈی وی سن لے میرے مالک، اے شہنشاہ یہ دو رکعت نفل ہے تیری

دربار میں تیرے بندے کی طرف سے، اے اللہ، مقدر اتنی بار بدلتا ہے جتنی بار بندہ تجھ سے رجوع کرتا ہے، اے اللہ میری سُن۔ دیکھ یہ بِلّو بھی ساتھ بیٹھی ہے۔ اِسکی بالیاں نوچ لیں، کان سے خون بہہ رہا ہے۔ اے نعمہ الماھد ون اللہ، یا نعمہ المجیبو ن اللہ، یا نعمہ القادرون اللہ میری سن، میری سن، او! ترس کھانے والے اللہ۔ اے االلہ میں آج زیروز بر ہوگیا، تیرے سامنے اپنے آپکو پیش کرتا ہوں۔ اے االلہ حسد کی آنکھ لگ گئی، فضل کی آنکھ بھی لگا۔ اے االلہ میں اِقرار کررہا ہوں کہ میں گناہگار رہوں، اب تو معاف کردے۔

یاذالجلالِ ولکرام تکلیف پہنچی ہے۔

یاذُالجلالِ والِا کرام دانت ٹوٹ گئے۔ یاذُالجلالِ والاکرام لاتوں سے مارا ہے۔

یاذُالجلالِ والِا کرام خوشی نہ دیکھی گئی اِس ملک سے میری۔ یاذُالجلال والاکرام عین خوشی کے وقت پہ مارا ہے۔ اے اللہ تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ نماز کے ذریعے اور دعا کے ذریعے۔ اے بغیر موسم کے پھل دینے والے اللہ میری سُن۔ کبھی بھی کسی ایسے بندے کو تنگ نہیں کرنا چاہیے جس کا اللہ کے سِوا کوئی نہ ہو۔ میرا تو تیرے سوا کوئی نہیں ہے، تُو تو جانتا ہے۔ میرے تو ماں باپ بھی مر گئے۔ دوست بھی کوئی نہیں۔ ہمراز بھی کوئی نہیں، ہم پیالہ بھی کوئی نہیں۔ سمجھنے والا بھی کوئی نہیں۔ پکّا یتیم ہوں میرے اللہ۔

اے اللہ، پیارے نبی ﷺ نے فرمایا جب ظلم عام ہو جائے تو بٹیرا گھونسلے میں مر جاتا ہے۔ اللہ زمین پہ ظلم ہوتا ہے تو شاید اس کا دل دھڑکتا ہے اور زلزلے آجاتے ہیں اور جب اِنسان اِنسانوں کے لیے نہیں روتا تو پہاڑ روتے ہیں اور سیلاب آجاتے ہیں۔

اے اللہ تو پاک ہے۔ تیرے جیسا دنیا میں کوئی نہیں ہے تو سب کچھ ہے میں کچھ نہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں بوسیلہ اِس کے کہ تُو اللہ ہے۔ اے اللہ۔ اے میرے مالک میں چاہتا ہوں کہ تیری ایسی تعریف کروں جیسا کہ تُو خود ہے۔ جیسی کہ تیری سلطنت، جیسا کہ تیرا چہرہ، میرے

پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے میں تجھے استعارہ دے سکوں، بس جیسا تُو ہے ویسی ہی تیری تعریف کرنا چاہتا ہوں۔اے اللہ شکرادا کرنا بندگی کا ثبوت ہے میں تیرا ہی شکرادا کرتا ہوں۔

اللہ،تو چھوڑ یونہیں ڈاکوؤں کو، یہ دنیا کیا کہے گی، میری دوستی کی لاج رکھ لےاو لاج رکھنے والے۔ تُو نے ہی تو کہا ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنا خاص فضل کریں اِن بندوں پر جو ہماری زمین میں کمزور کر دیئے گئے ہیں اور ہم اِنکو سربراہ بنائیں اور انہیں کو زمین کا وارث بنائیں۔میرے اللہ دیکھ میں کمزور ہوں۔اب تُو فضل کر۔

اللہ تو چھوڑ نا نہیں،تُو میرا بدلہ پورا لینا۔آج جس نے بھی حسد کیا ہو اس سے بھی لینا۔جس جس نے دکھ پہنچایا ہو اس سے بھی لینا۔جس نے مارا اس سے بھی لینا۔جس نے مارنے دیا اس سے بھی لینا۔ جس نے نہ روکا اس سے بھی لینا۔اِن ڈاکوؤں کو ضرور پکڑ وادینا۔میرا کیمرہ مجھے بہت عزیز ہے وہ بھی واپس دلوادینا۔میرا سامان بھی میرے پیسے بھی۔

اللہ تُو نے کہا ہے نا کہ ہر اِک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں۔اِنکو اور انکو تیرے ربّ کی بخشش میں سے اور تیرے ربّ کی بخشش کسی نے نہیں روک لی۔اللہ مجھے دے نا دیکھ میں دونوں ہاتھ پھیلا کے، جھولی پھیلا کے مانگ رہا ہوں۔تُو تو مفطرب کی سنتا ہے نا۔تو میری بھی سن اور یقیناً تُو میری ضرور سنے گا۔تو اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑ نا۔کاش میں اڑ سکتا تو آج غلافِ کعبہ پکڑ کے روتا۔او میرے اللہ،آج اکیلا نہ چھوڑ یا،آج دلوں پہ خوف طاری ہے، تیرے بندے ڈر گئے ہیں،لُٹ گئے ہیں، پِٹ گئے ہیں۔افسردہ ہیں،غمگین ہیں۔اے ذوالجلالِ ولاکرام تجھے تیری اُس محبت کا واسطہ جو تُو مجھ سے کرتا ہے۔آج نہ چھوڑ یو،آج میرے آنسو ضرور خشک کروانے آ۔ اے اللہ آپ تو ضامن ہیں ہر چیز کے،تجھ سے ہی مانگنے آیا ہوں،آج تو نے مدد نہ کی تو دوستی کی لاج لٹ جائے گی میرے ربّ۔

تُو مجھے کن لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے میرے اللہ۔

میری سن میرے مالک !

میری سن میرے رب !

میری سن میرے اللہ

او؛ شہ رگ سے قریب اللہ میری سُن !

☆☆☆

شدتِ درد میں ہونٹوں پہ دعا کا ہونا
ثابت اِس سے بھی ہوتا ہے خُدا کا ہونا

عبداللہ کی کچھ طبیعت سنبھلی تو پولیس کو کال کر کے بلوایا۔انھوں نے بڑا تعاون کیا۔ایک ہی دن میں FIR بھی کٹ گئی۔عبداللہ نے خود ان کا بڑا ساتھ دیا اور سیل فون ڈیٹا کی مدد سے Fencing۔ Geo کر کے ڈاکوؤں کے ٹھکانے تک پہنچا دیا۔18 روز میں ڈاکو پکڑے گئے سامان سارا واپس مل گیا، پیسے نہ ملنے تھے نہ مِلے۔کورٹ میں پیشی،مقدمہ،جیل میں شناخت پریڈ اور عدالت کی بار بار کی پیشیوں سے عبداللہ بے زار آ گیا۔

جج نے عبداللہ کو اپنا ہی سامان واپسی لینے کے لیئے مچلکے جمع کروانے کا کہہ دیا۔عبداللہ نے شور مچایا تو انھوں نے شخصی ضمانت پہ سامان تو واپس کر دیا مگر اِن تمام چکروں اور جیلوں میں شناخت پریڈ اور تھانوں کے چکّروں سے اسکی روح تک مجروح ہوئی گئی۔

اترنے والے نہ اب تک بام سے اترے
تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھو آئے

وہ تمام لوگ جو بڑے بڑے دفاعی اِداروں میں تھے،جن کے لیے عبداللہ دِن رات کام کرتا رہا۔ اُن میں سے کسی نے کوئی مدد نہ کی،فون تک اٹھانا چھوڑ دیا اور عبداللہ سوچتا رہ گیا کہ اگر وہ اس دن

مرجاتا تو کوئی جنازے پر بھی نہ آتا۔

کیا ظلم ہے کہ عشق کا دعوی انہیں بھی ہے
جو حد اعتدال سے آگے نہ جا سکے

اس نے اپنی وصیّت لکھ ڈالی کے مروں تو گھر کے کارڈن میں دفن کر دینا، بیٹے سے کہا وہ نماز پڑھا دے اور نوکروں سے کہا وہ پیچھے پڑلیں تا کہ اِس ملک میں دفنانے تک کے لیے کسی سے احسان نہ لینا پڑے۔ جب دینا ہی ہے اور وہ بھی اللہ کے لیئے تو واپسی کی اُمید کیا رکھّے اور کیوں رکھّے ؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبداللہ کو امریکہ کی ایک مایہ ناز یونیورسٹی سے لیکچر کی دعوت آئی۔ وہ جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ایک غیر ہیں جو اپنے خرچے پر بلاتے ہیں۔ ہزاروں ڈالر دیتے ہیں۔ عزّت بھی دیتے ہیں اور ایک اپنے، جہاں مفت میں پڑھانے بھی جاؤ تو کسی خاطر میں نہیں لاتے۔ یا تو وہ بے وقوف ہوئے یا یہ۔ اُسے باہر جا کر ہمیشہ ایک خوشی کا احساس ہوتا کہ وہ نت نئ چیزیں سیکھتا اور نئے نئے لوگوں سے ملتا۔ وہ ہمیشہ کہتا جو لوگ باہر جانا پسند نہیں کرتے، وہ ٹھیک نہیں سوچتے کہ آدمی سفر سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ اور کچھ غلطیاں آدمی کو کر بھی لینی چاہیں۔ زندگی میں غلطی نہ کرنا بھی ایک غلطی ہی ہوتی ہے اور بے شک اِنسان اپنی غلطیوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔

ڈرادیتی ہو جن کو انقلاب وقت کی پائل
انہیں کیونکر میں سمجھاؤں کہ قومی اِرتقا کیا ہے

اسے یہاں کے لوگوں سے مل کے بھی حیرت ہوتی، ایک سے بڑا ایک پروفیسر مگر انتہائی تمیز سے بات کرتا ہے کوئی غرور وانا نہیں ہمارے ملک میں بچّے PHd نہیں کر پاتے کہ ایڈوائزر کو سال میں

4 بار ملنے کا بھی وقت نہیں ملتا۔ بے شک اللہ جس قوم کو عاجز کرنا چاہیں اُس سے عاجزی چھین لیتے ہیں۔

عبداللہ کو یہاں لہلہاتے درخت اور کثیر تعداد میں پودے اور پھول بھی بہت پسند تھے۔ وہ سوچا کرتا تھا کہ کائنات میں ذکر کا ایک Equilibrium بنا ہوا ہے۔ جس زمین پر ذکر کرنے والے زیادہ نہیں ہوتے وہاں پودے، پھول، جانور زیادہ ہوتے ہیں اور پہاڑ بھی تو ہیں۔ یہ سب اپنی زبانوں میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور جس زمین میں ایسے لوگ زیادہ ہوتے ہیں وہاں شاید اول الذکر چیزیں کم ہو جاتی ہیں۔ ایک Threshold ہے جس کا سوائے اللہ کے کسی کو نہیں پتہ۔ کبھی سیلاب پودوں مویشیوں کو کھا جاتا ہے تو کبھی زلزلہ لوگوں کو نگل لیتا ہے، الغرض Equilibrium برابر رہتا ہے۔ ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ ذکر کرنے والوں کے صدقے رزق ملتا ہے اور دِل کرے بھی کیا گر ذکر نہ کرے؟

فنا اِتنا تو ہو جاؤں میں تیری ذات عالی میں
جو مجھ کو دیکھ لے اس کو تیرا دیدار ہو جائے

اُسے یہاں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھومتے جوڑے بھی بہت بھاتے۔ وہ سوچا کرتا کہ محبت اور جنس کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔ وہ امریکہ کی رنگارنگی دیکھ کے سوچا کرتا کہ دنیا 3 سسٹمز ڈھونڈ رہی ہے۔ حکومت کا، معاشیات کا، اور اِخلاقیات کا۔

ایک اِدارہ ایسا بنانا چاہیے جو انسان بنائے، انسان سازی پر کام کرے۔

کیا ہی عجب بات ہے کہ ملک میں ہر چیز کا اِدارہ موجود ہو مگر اِنسان کیسے بنتا ہے اُس کا نہ کوئی اِدارہ، نہ کوئی کتاب اور اب تو استاد بھی تھوڑے رہ گئے جو شاذ و نادر ہی برستے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ

اُمت میں نماز سکھانے کا کورس کوئی نہیں کراتا، دعا مانگنا کوئی نہیں سکھاتا، کوئی ٹریننگ اِنسان بنانے کی نہیں ہوتی۔ ہر ٹریننگ "میں" میں اِضافہ کرتی ہے، اِسے ختم نہیں کرتی۔

جنہیں دعویٰ ہو الفت کا بغاوت کر نہیں سکتے
جنہیں خود سے محبت ہو عبادت کر نہیں سکتے
(زیبا قیرانوی)

کتنی عجیب بات ہے کہ امریکہ میں نماز پڑھتے ہوئے خودکش حملے میں مرنے کا خوف نہیں ہوتا، اِسلام آباد میں دھڑکا لگا رہتا ہے۔ کیا ہی بدنصیب شہر ہے جِسے اپنے نام تک کا پاس نہیں رہا۔ ہمارے لوگ ایسے اکل کُھرے نکلے کہ یہ تک نہیں سوچتے کہ ایمان و کُفر کی بنیاد عقیدے پہ رکھنی ہے فِرقے پر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آزاد پیدا کیا ہے مگر یہاں ہر کوئی اپنا قیدی بنانا چاہتا ہے، کوئی معاشی تو کوئی عقلی، کوئی دلی تو کوئی نفسی، کوئی اعتقاد میں تو کوئی ایمان میں۔ بڑے کہتے تھے کہ مرید کی خواہش رکھنا کہ فلاں آدمی اثر ورسوخ والا میرے حلقے میں آئے طریقت کا شِرک ہے۔ اور شیخ کو مرید بنانے سے ایسا ڈرنا چاہیے جیسا درندے کو دیکھ کے انسان ڈرتا ہے۔

عبداللہ سوچنے پہ آیا تو سوچتا ہی چلا گیا۔ یہ دماغ بھی جِسم کا مال روڈ ہوتا ہے۔ وزیرِ اعظم کی کار بھی یہاں سے گزرتی ہے اور میونسپلٹی کا کچرے کا ٹرک بھی۔ وہ سوچنے لگا کہ انسانیت کے حقوق کا پرچار کرنے والے ملک میں کوئی اِدارہ ایسا بھی ہے جو اِنسانیت کے فرائض پر بھی بات کرے۔ اللہ کے کیا حقوق ہیں وہ بھی بتائے۔

وہ سوچنے لگا کہ ہماری نفرتوں نے ہمیں غیر سے تعلیم لینے سے روک رکھا ہے۔ آخر قدرت کا کُلیّہ یہی ہے کہ جو محنت کرے گا وہ پھل پائے گا۔ دِل کی نفرتیں آدمی کو بچھو بنا دیتی ہیں اور نفرت کا ذہن

tsurdu.blogspot.com

ہدایت کو قبول نہیں کرتا۔

وہ سوچنے لگا کہ امریکہ بھی کتنا بدنصیب ہے، ہر ملک اِس سے کھاتا ہے اور گالیاں بھی اسے ہی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ جو لوگ اپنے ملکوں کو چھوڑ کے یہاں آ بسے ہیں۔ یہاں سے کما کر کھا رہے ہیں وہ بھی اِسی سے بغض رکھتے ہیں۔

وہ سوچنے لگا کہ ہمارے ملک میں بندے بنتے ہیں یہاں اِدارے بنتے ہیں۔
اور ایسا پیسوں کی غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے ہمارے ملکوں میں۔ اور جو دولت ہمارے حکمران لوٹ کر اپنی اولادوں کو کھلا دیتے ہیں ان سے سب سے پہلے اُن کا اِخلاق تباہ ہو جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ جتنا فساد مسلمان متکبر مچاتا ہے اتنا کافر عبادت گزار نہیں مچاتا۔ وہ سوچنے لگا کہ ہم بحیثیت قوم بہت سے گناہ کرتے ہیں اور پھر بد دعاؤں کے کوٹے میں سے اپنی اپنی اجرت بھی لے لیتے ہیں۔

عبداللہ اِس آزاد ماحول میں بہت خوش تھا جہاں کم از کم بولنے اور سوچنے کی تو آزادی تھی۔ جہاں ایک غریب آدمی سکون سے اپنی زندگی گزارنا چاہے تو گزار تو سکتا تھا۔ جہاں انصاف تو ملتا تھا۔ اور عمر کا کوئی بھی حِصہّ ہو اگر بندہ ٹھان لے تو شیطان میں کبھی بھی اتنی طاقت نہیں کہ وہ اسے راہ سے ہٹا سکے اِلاّ ماشااللہ۔ عبداللہ آج بہت خوش تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ دعاؤں کو لکھ لینا چاہیے تاکہ پتہ لگتا رہے کتنی قبول ہو رہی ہیں۔ عبداللہ اپنے پرانے خطوط نکال کے پڑھتا تو اُسے ہنسی آتی کہ وہ کن چیزوں پہ روتا رہا ہے اور کیا کیا مانگتا رہا ہے اپنے ربّ سے۔

اِنسان کی یادداشت اپنے بارے میں بڑی کمزور ہوتی ہے لکھنا بڑا کام دیتا ہے۔
اور شاید قبر میں بھی ایسا ہو کہ اِنسان زندگی بھر کی خواہشوں اور رونے کو دیکھے اور اِس کو یہ سب گڈے گڑیا کی خواہش ہی لگیں۔

دو دِن کو اے جوانی دیدے ادھار بچپن

عبداللہ وطن واپس پہنچا تو سینٹر اِسکالرشپ نے اسے اِنٹرویوز لینے کے لیے بلایا اُسے بڑی خوشی ہوئی اور اس نے حتی الامکان کوشیش کی کہ بہترین طالب علموں کو چنا جائے۔ ابھی یہاں سے فراغت ہوئی تھی کہ ایک یونیورسٹی نے لیکچر کی دعوت دی جو عبداللہ نے بخوشی قبول کر لی۔ عبداللہ سوچا کرتا کہ وہ فوجی جو جنگ کے دن غیر حاضر ہو جائے اُسے گولی مار دینی چاہیے بالکل اِسی طرح جِسے خدا نے علم دِیا اور وہ لوگوں تک نہ پہنچائے اسے بھی گولی مار دینی چاہیے۔

عبداللہ کو جب کبھی کسی نے Mentor بننے کی درخوست کی وہ انہیں امین بھائی یا احمد بھائی کے پاس بھیج دیتا اور خود منع کر دیتا، وہ کہتا Mentor کے لیئے شرط ہے کہ اسکی نظروں میں عزت و ذلت، اور مال کا ہونا یا نہ ہونا سب برابر ہو جائے تب اللہ کی حکمتیں نازل ہوتی ہیں ورنہ ایسا آدمی کسی کو راہِ راست پر گائیڈ کیسے کرے گا جو خوشامد پر بِک جائے گا یا عزت پر عبداللہ خود تو اِس قابل تھا نہیں امین بھائی اور احمد بھائی بڑے لوگ تھے انہی کے پاس بھیج دیا کرتا تھا۔

خیر عبداللہ نے اپنے لیکچر کا آغاز کیا۔ ٹاپک تھا "پاکستان"

حاضرین کرام میں آپکو خوش آمدید کہتا ہوں اِسلامی جمہوریہ پاکستان میں جہاں اِسلام خود مقبوض ہو کے رہ گیا ہے۔

یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں 40 ہزار لوگ خودکش حملوں میں ہلاک و زخمی ہوئے ہیں، لگ بھگ 5 ہزار ڈرونز کی نظر ہو گئے، جہاں 12 ہزار بندے سال میں بھوک سے مر جاتے ہیں، جہاں نماز پڑھنے جاتیں تو چپلیں بھی باندھ کے رکھنی پڑتی ہیں۔ جہاں کے 40 فی صد Adults سگریٹ پیتے ہیں، جہاں سال کے 42 لاکھ بچے پیدا ہوتے ہیں، جہاں ہر 28 میں سے ایک بچہ اپنی پہلی سالگرہ سے پہلے مر جاتا ہے، جو دنیا میں ٹی بی والے ملکوں میں چھٹے نمبر پر ہے۔

tsurdu.blogspot.com

جہاں 5 سال سے کم عمر 30 فی صد بچے خوراک کی کمی کا شِکار ہیں، جہاں 30 لاکھ آدمیوں کو ہر سال hepetitis B اور C ہو جاتا ہے، جہاں 93% لوگوں کے دانت خراب ہیں (اور یہ اُس نبی ﷺ کی اُمتّ ہے جو دن میں 9 بار دانت صاف کرتے تھے)، ایسا ملک جہاں 61% بچے بغیر کسی ٹرینڈ اِسٹاف کے
پیدا ہوتے ہیں، جسکا نمبر کرپشن میں پچھلے سال تک پہلے نمبر پر تھا، جہاں قبائلی علاقوں میں شرح خواندگی 7% ہے، جہاں اِسکولوں کو بموں سے اڑا دیا جاتا ہو، جہاں جرائم 18% سالانہ کی اوسط سے بڑھ رہے ہوں، جہاں 2700 لوگوں کو سالانہ اغوا کر لیا جاتا ہو اور جہاں کے صرف ایک شہر کراچی میں روزانہ کے 15 قتل ہوتے ہوں، ایک ایسا ملک جہاں 13 ہزار بندے سالانہ قتل ہوتے ہوں، 12 ہزار خودکشی کر لیتے ہوں، 5 ہزار بچے نالیوں سے ملتے ہوں، اور 1500 سے زنا ہو جاتا ہو۔

میں آپ سب کو اس ملک میں خوش آمدید کہتا ہوں۔
آج پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ پاکستانی ہیں۔ ہم ٹھیک نہیں ہوتے، ہم ٹھیک نہیں کرتے۔ کیا آپکو پتہ ہے کہ اِس یونیورسٹی میں بیٹھنے کے سبب آپ کتنے خوش نصیب ہیں؟

پاکستان میں پڑھا لکھا اسے کہتے ہیں جو اپنا نام لکھ سکتا ہو اور وہ بھی صرف 55% یعنی قریباً 80 ملین لوگ ایسے ہیں جو اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے۔

پرائمری تک پہنچنے والے 13.07 فی صد
مڈل کلاس تک 8.26 فی صد
میٹرک تک 7.66 فی صد
انٹرمیڈیٹ تک 3.39 فی صد
بیچلرز تک 0.3 فی صد

ماسٹرز تک 0.124 فی صد

ایم فل تک 0.009 فی صد

اور

PHD تک 0.00048 فی صد

اور پھر یہ معدودے چند اِن یونیورسٹی میں لیکچرز دیتے ہیں۔ چائے پیتے ہیں اور AC لگا کے سو جاتے ہیں۔

سورۃ نساء میں آیا ہے کہ اللہ کے فرشتے وقت نزع پوچھیں، کس حال میں رہے ہو تو کیا جواب دیں گے ؟ اُس ملک سے آرہے ہیں جہاں یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ جہاں حلال کے راستے مسدود تھے۔ جہاں زنا عام تھا، جہاں شراب بکتی تھی۔ تو وہ فرشتے کہیں گے کہ کچھ کیا کیوں نہیں؟ بندہ کہے گا ملک تو کسی اور کا تھا ہم تو کمزور بنا دیئے گئے تھے تو وہ کہیں گے کہ اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ ہجرت کر جاتے ؟

ہمارے پاس کوئی چوائس نہیں ہے۔ ہمیں تبدیل کرنا ہے اپنے آپ کو، اپنے گھر خاندان کو اپنے معاشرے اور شہر کو اور اپنے ملک کو ورنہ کہیں اور چلے جائیں تا کہ کم از کم اس آیت کا جواب تو نہ دینا پڑے۔

میں اپنا لیکچر اِس نظم پر ختم کرتا ہوں:۔

جس دیس میں ماؤں بہنوں کو
اغیار اٹھا کر لے جائیں

جس دیس سے قاتل غنڈوں کو
اشرار چھڑا کر لے جائیں

جس دیس کی کورٹ کچہری میں
انصاف ٹکوں پر بکتا ہو

جس دیس کا منشی قاضی بھی
مجرم سے پوچھ کے لکھتا ہو

جس دیس کے چپے چپے پر
پولیس کے ناکے ہوتے ہو

جس دیس کے مندر مسجد میں
ہر روز دھماکے ہوتے ہو

جس دیس میں جاں کے رکھوالے
خود جانیں لیں معصوموں کی

جس دیس کے حاکم ظالم ہوں
سسکیاں نہ سنیں مجبوروں کی

جس دیس کے عادل بہرے ہوں
آہیں نہ سنیں معصوموں کی

جس دیس کی گلیوں کوچوں میں
ہر سمت فحاشی پھیلی ہو

جس دیس میں بنت حوا کی
چادر داغ سے میلی ہو

جس دیس میں آٹے چینی کا
بحران فلک تک جا پہنچے

جس دیس میں بجلی پانی کا
فقدان حلق تک جا پہنچے

جس دیس کے ہر چوراہے پر
دو چار بھکاری پھرتے ہوں

جس دیس میں روز جہازوں سے
امدادی تھیلے گرتے ہوں

جس دیس میں غربت ماؤں سے
اپنے بچے نیلام کراتی ہو

جس دیس میں دولت شرفا سے
ناجائز کام کراتی ہو

جس دیس کے عہدیداروں سے

عہدے نہ سنبھالے جاتے ہوں

اس دیس کے رہے والوں پر
پڑھنا لکھنا واجب ہیں

اس دیاس کے ہر ایک لیڈر کو
آئینہ کھانا واجب ہیں

جس دیس میں یہ سب کچھ ہوتا ہو
اتنی دیس میں کرے کوئی کام ہوئے

اس دیس میں 180 ہفتے سے
کسی نے کہا تم اپاک ہوئے؟

یہ دیس ہمارا اپنا ہے
اس دیسمیں اب کچھ کرنا ہے

ورنا، رہتی باقی دنیا ہے
اور تم تو خاک ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبداللہ نے سوچ لیا تھا کہ کام باہر کرے گا، پیسہ وہاں سے کمائے گا اور ٹیم پاکستان میں Develop کرے گا۔ نہ یہاں پیسے کا لین دین کرے گا نہ ہی جان کا جلاپا ہوگا۔ ہاں کسی نے پڑھانے کے لیے بلایا تو جا کے پڑھا آئے گا بھلے مفت میں ہی کیوں نہ پڑھانا پڑے۔

آج عبداللہ ایک کام کے سلسلے میں کہیں گیا ہوا تھا ایک جگہ اِنتظار کرنا پڑا تو وہ سامنے چائے کے ریستوران میں بیٹھ گیا۔ اب مفتی صاحب کا بتایا ہواذ کراسکی سانس میں چلتا تھا اور اسے کافی پریکٹس ہوگئی تھی۔ یا د دہانی کو وہ عموماً ہاتھ میں ایک تسبیح بھی پہن لیتا تھا کہ Visual Reminder رہے۔ گناہ سے پہلے نظر پڑے تو رک جائے کہ جس کی یاد میں کچھ لمحے بیتے ہیں اس سے کچھ حیا کرو اور نافرمانی نہ کرو۔

چائے کے ریستوران کے سامنے ایک رنگریز دو پٹے رنگ رہا تھا، اس نے سفید، جوگیا، نیل گوں، کتھئی اور پتہ نہیں کون کون سے رنگ کے دو پٹے رنگ دیئے اور عبداللہ ٹکٹکی باندھے بس اُسے ہی دیکھتا رہا۔

وہ سوچنے لگا کہ زندگی میں بھی طرح طرح کے رنگ چڑھتے ہیں، کبھی جوانی کا تو کبھی وِژن کا، کبھی پیسوں کا تو کبھی گھر کا، کبھی بیوی کا تو کبھی بچوں کا،

کبھی گناہ کا تو کبھی نیکیوں کا۔ کبھی انکار تو کبھی اقرار کا، کبھی توبہ کا تو کبھی ضد کا۔

اور ایک رنگ اللہ کا بھی تو ہے۔ صبغۃ اللہ، وہ جن پہ چڑھتا ہوگا وہ کیسے ہونگے ؟

پہلی شرط تو دوپٹے کا سفید ہونا ہے۔ کپڑے کا بُنا جانا ہے۔ رنگ تو بعد میں چڑھے گا۔ اپنے آپکو آدمی باطنی برائیوں سے پاک نہیں کرے گا تو رنگ کیونکر چڑھے۔ اور کوئی اور رنگ چڑھا ہوا ہو تو بھی کیسے چڑھے۔

اِسلام ایک مزاج کا نام ہے ایک رنگ ہے جو شخصیت کا پورا پورا احاطہ کر لیتا ہے۔ اِسلام بہت حسّاس ہے۔ کسی اور رنگ کو برداشت ہی نہیں کرتا۔ صاف صاف بتا دیتا ہے یہ کرو یہ نہ کرو، یہ حلال یہ حرام، یہ جائز یہ ناجائز، یہ عبادت یہ شرک۔

اور جن پہ اِسلام کا رنگ چڑھ جائے انہیں نماز کی لت لگ جاتی ہے، قرآن کا سرور چڑھ جاتا ہے، دعاؤں کی عادت پڑ جاتی ہے۔ رونے کی بیماری لگ جاتی ہے اور پھر وہ اگر کسی کو چھو لیں تو اسے بھی لال کر کے چھوڑتے ہیں اور کچھ کو تو مرتے دم ہی پتہ لگتا ہے کہ وہ رنگے جا چکے ہیں۔ لال کو کب پتہ ہوتا ہے کہ وہ لال ہے۔

عبداللہ کی آنکھ سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے، وہ اٹھا رنگریز کے پاس گیا اسے بہت سارے پیسے دیئے اور اسے حیرت زدہ چھوڑ کے چلا آیا۔

سودا جو تیرا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانیے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

آج عبداللہ پھر مانگ رہا تھا:۔

"اے اللہ، اور رنگریز اللہ، مجھے رنگ دے، مجھے رنگ دے، مرے مالک، مجھے رنگ دے، اللہ مجھے اپنے رنگ کا ٹھپہ لگا دے، اے اللہ، مجھے آزاد کر اِس دنیا سے کہ میں تیری قدرت دیکھوں۔ اپنے آپ سے کہ میں تجھے پہچانوں۔ یہ دنیا ایک بڑا پنجرہ ہے۔ سونے کا ہی سہی ہے تو پنجرہ۔ میں کھل کے اڑ بھی نہیں سکتا۔ میرے تخلیل کا دم گھٹتا ہے۔ تو نے ہی تو کہا ہے کہ اور جو لوگ ہمارے لیئے کوشش کریں گے تو ہم انھیں اپنے راستوں کی رہنمائی ضرور کریں گے۔ اور اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

اے اللہ! مجھے مل جا، مجھے لکھ دے، مجھے رنگ دے۔"

کسی نے چوم کے آنکھوں کو یہ دعا دی تھی
کہ زمیں تیری خدا موتیوں سے نم کر دے

☆☆☆

آج عبداللہ پھر مفتی صاحب کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اپنے سوالات کے ساتھ۔

مفتی صاحب ملک سے باہر جا رہا ہوں چاہتا ہوں لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤں۔ کوئی مشورہ؟

جو شخص اللہ کی طرف بلائے اُس پر فرض ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔ یہ نہ کرے کہ تقریریں بہت کرے اور تنہائی میں اللہ کو یاد نہ کرے۔ اللہ سے نسبت قوی کرے لوگوں پر اس کا اثر بھی پڑے گا۔ یاد رکھنا۔ اللہ کی معرفت حرام ہے اس شخص پر جس کی تنہائی پاک نہیں۔ خلوت میں عبادت کا شوق اخلاص کی نشانی ہے۔

یہ انسان بڑی عجیب چیز ہے۔ ماننے کو آئے تو اپنے جیسے کو خدا مان لے اور نہ ماننے پر آئے تو سیدھی سادھی بات نہ مانے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ تم جوانی میں کوئی کام ایسا نہ کرنا کہ جب بڑھاپے میں لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاؤ تو وہ جوانی کے کارنامے گنوائیں۔ جوانی کو ہمیشہ بے داغ رکھو۔

کسی سے اتنی محبت نہ کرو کہ ٹوک نہ سکو، نہ اتنی نفرت کہ ضرورت پڑنے پر شرم کے مارے جا نہ سکو۔

- کس چیز سے بچوں؟

زندگی کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ شیطان دین کی گمراہی کے کام کو اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ جب گمراہی دین کے رنگ میں آتی ہے، تواضع کبر کے رنگ میں آتی ہے۔ غرور عاجزی سے پیدا ہوتا ہے اور فقر میں انا آجاتی ہے تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک اللہ کی پناہ بڑی چیز ہے۔

- چوری کیا ہے؟

بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے تو حید اللہ کی غیرت کا نام ہے۔ نماز میں ایک بار اللہ کی طرف دھیان فرض ہے۔

- اللہ کے دوست کون ہوتے ہیں؟

اللہ نے کہا ہے کہ میرے ایسے دوست جن پر رشک کیا جائے وہ ایسے ہیں کہ کم مال چھوڑتے ہیں۔ کم بیویاں چھوڑتے ہیں۔ شہر سے دور رہتے ہیں۔ محلے میں کوئی دعوتوں میں نہیں بلاتا اور میں اسے نماز میں بڑا حصہ دیتا ہوں اور ان کے دل ہدایت کے روشن چراغ ہوتے ہیں اور جب اِن کا وقت آتا ہے تو نقد چل پڑتے ہیں۔

- تصوف میں روزہ نہیں رکھا جاتا، پتہ کیسے لگے کہ اثر ہو رہا ہے۔ کچھ نہ کچھ تو ملے نہ۔

لیس ا لا نسانِ اِلّا ما سعیٰ
تو مگر پھر بھی نہ مجھ کو مل سکا

(سیدّ مبارک شاہ)

بچہ بڑا ہو رہا ہو تو اسے پتہ نہیں لگتا۔ آہستہ آہستہ کچھ سالوں میں پتہ لگتا ہے۔

- صبر کیا ہے؟

جب شکایت کا رخ اللہ کی طرف ہو جائے۔صبر کے معنی ہیں جس مشن پر چلا ہے اِس میں جو مصیبتیں اور مشکلات آتی ہیں ان سے نپٹے اور جمارہے ہار ماننا تو شکست ہے۔

- آزمائش اور سزا میں کیا فرق ہے؟

اللہ کی طرف سے گناہوں کی سزا اور اچھے اعمال کی آزمائش ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔جب سزا آتی ہے تو دل کا سکون چھن جاتا ہے۔جب آزمائش آتی ہے تو دل پرسکون رہتا ہے۔

- آئیڈیل کسے بناؤں؟

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے علاوہ کسی کو بھی آئیڈیل بناؤ گے تو frustate ہو جاؤ گے۔

- بہت ڈرتا ہوں اعمال کی وجہ سے۔

بہت اچھی بات ہے۔بے خوف ہو جانا بری بات ہے۔خوفزدہ رہنا ایمان کی دلیل ہے۔

- صالح آدمی کون ہوتا ہے؟

جسے اپنے غصہ، جنس اور عقل پہ کنٹرول ہو۔

- ذلّت کیا ہے۔

ذلّت آرزوؤں کی کثرت کا نام ہے۔باطن کی صفائی سے آرزوئیں محدود ہو جاتی ہیں۔

- جوانی اور بڑھاپا کیا ہے؟

جب جسم نفس سے گناہ کا کہے تو سمجھو جوان ہے جب نفس جسم سے کہے تو سمجھو بوڑھا ہو گیا ہے۔

اچھا مفتی صاحب آذر کرے میں اذان دینے جا رہا ہوں دعا کرنا۔
اللہ برکت دے۔

عبداللہ مفتی صاحب سے مل کر مسجد سے نکلا تو فقیر نے صدا لگائی۔

صاحب جی کچھ دیتے جاؤ۔ یقین کرو میرا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔
ارے۔ مبارک ہو۔ بھنگڑا ڈالو، خوشیاں مناؤ، شکرانے کے نفل پڑھو۔ جسے اللہ مل گیا اسے اور کیا چاہیے۔

اچھا ایسا کرو میرا بٹوہ تم لے لو اپنا اللہ مجھے دے دو۔
عبداللہ فقیر کو سکتے میں چھوڑ کی اپنی نئی assignment پر ملک سے باہر جانے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔
ایک بار پھر سوالات کی یلغار اس کے دماغ میں تھی۔ اللہ کہتے ہیں کہ ان کی سنّت تبدیل نہیں ہوتی تو وہ سنت آخر ہے کیا؟
اور عبداللہ کا قلم اسکی ڈائری میں چلنا شروع ہو گیا۔
ائیر پورٹ پر بلّو نے کہا، عبداللہ دیکھو اِس بار کڑوا نہ بولنا وہاں کسی سے، بلّو لوگ تو کہی ہوئی باتیں کچھ منٹوں یا دنوں میں بھلا دیتے ہیں، اپنے ساتھ تو زندگی گذارنی ہے، جھوٹ کیسے بولوں؟

اپنے حصّے کا سفر تو رائیگاں ثابت ہوا
جس میں اس کے نقشِ پا تھے وہ سفر باقی بچے